بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مصباح العقائد

ترجمہ نامہ شیعیان

تالیف

حضرت آیۃ۔۔۔ العظمیٰ آقای الحاج میرزا حسن الحائری الاحقاقی مدظلہ

کربلائے معلیٰ (عراق)

مترجم

الحاج ناصر حسین صاحب نجفی

ناشر: مبلغ اعظم اکیڈمی سرگودھا و فیصل



مرجع عالیقدر شیعہ حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ
آقای الحاج میرزا حسن الحائری الاحقاقی متع اللہ المومنین بطول بقائہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مصباح العقائد

ترجمہ نامۂ شیعیان

تالیف

حضرت آیۃ العظمیٰ آقای الحاج میرزا حسن الحائری الاحقاقی مدظلہ

کربلائے معلیٰ (عراق)

مترجم

مولانا الحاج ناصر حسین صاحب نجفی

ناشر: مبلغ اعظم اکیڈمی سرگودھا روڈ فیصل آباد پاکستان
فون نمبر ۴۱۲۶۵

نام کتاب مصباح الغفائد ترجمہ نامۂ شیعیان
مصنف آیۃ اللہ میرزا حسن الحائری مدظلہ
مترجم مولانا الحاج ناصر حسین صاحب نجفی
بار دوم
تعداد دس ہزار

کتابت محمد شریف قادری (قادری گرافک آرٹ سنٹر امین پور بازار فیصل آباد)
مطبع اسود آفسٹ پریس فیصل آباد
ناشر مبلغ اعظم اکیڈمی فیصل آباد

فہرست مضامین

مبلّغِ اعظم اکیڈمی کے اغراض و مقاصد

★ محمّد و آلِ محمّد علیہم السّلام کی تعلیماتِ عالیہ کی نشر و اشاعت۔

★ مذہب حقّہ اثنا عشریہ پر مخالفین کے اعتراضات کا علمی ردّ اور مدلّل جواب۔

★ فتنۂ تقصیر کی روک تھام کیلئے فضائلِ محمّد و آلِ محمّد علیہم السّلام کی بھرپور اشاعت اور اہلِ تقصیر کے اشکالات کی مدلّل طور پر تردید۔

★ مبلّغِ اعظم مولانا محمّد اسماعیل صاحب اعلیٰ اللہ مقامہٗ کی کتبِ مؤلفہ اور علمی مضامین کی از سرِ نو اشاعت۔

★ مبلّغ اعظم اعلی اللہ مقامہٗ کی سوانح حیات، ان کی علمی خدمات، مناظرِ فصل کی روئیداد اور دیگر گرانقدر کارناموں پر ایک تحقیقی کتاب کی ترتیب و اشاعت۔

★ تعلیماتِ محمّد و آلِ محمّد علیہم السّلام کی وسیع تبلیغ اور مذہب حقّہ پر مخالفین کے اعتراضات کے مدلّل جوابات کی اشاعت کیلئے مبلّغ اعظم مرحوم ہی کے وضع کردہ پروگرام کے مطابق پندرہ روزہ رسالہ **"المودۃ"** کا اجراء

(مولانا الحاج) ناصر حسین نجفی

مؤسس مبلّغِ اکیڈمی۔ فیصل آباد

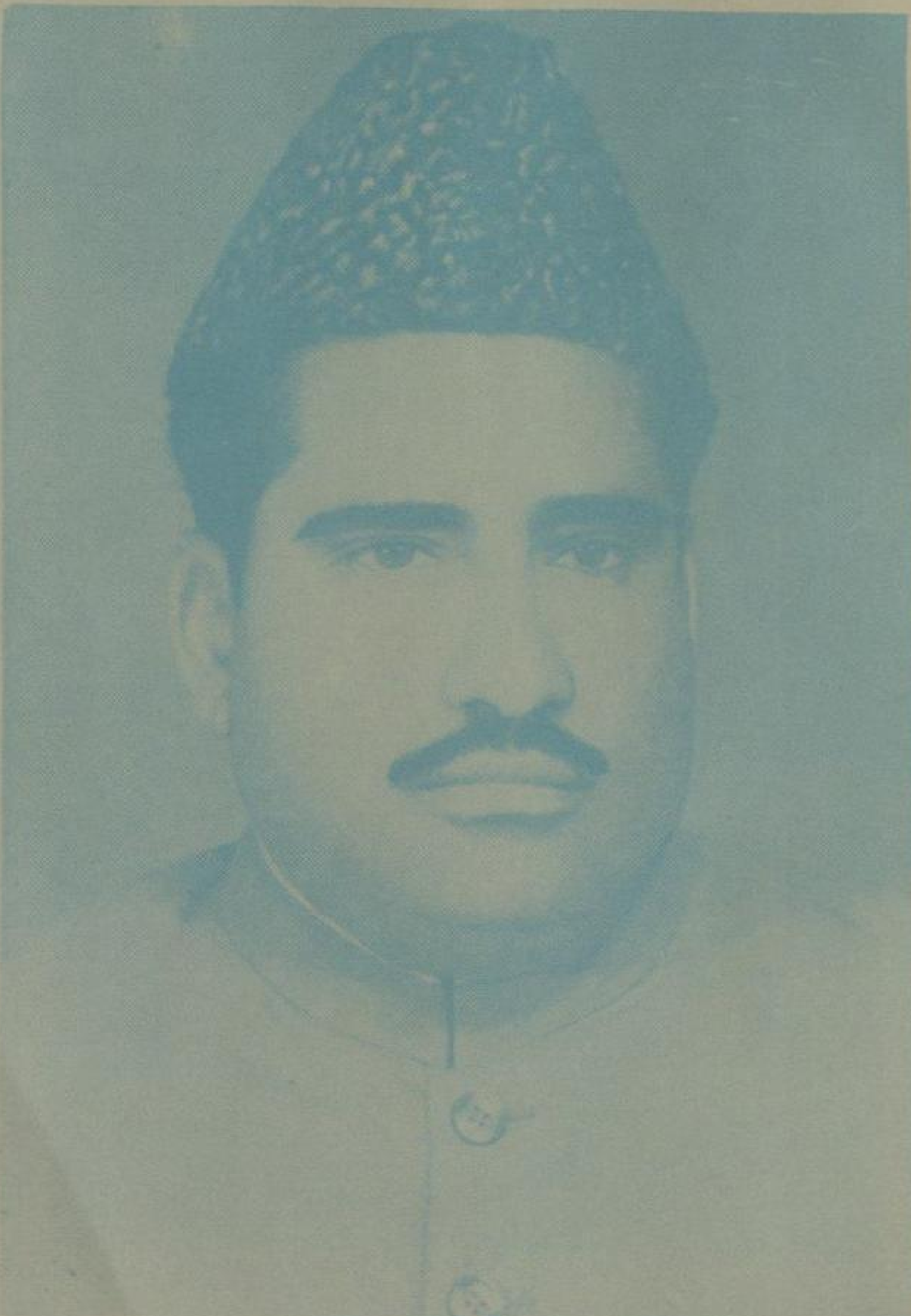
تبصرہ

از قلم :- فصیح اللسان جناب الحاج اختر سدیدی صاحب ایڈیٹر روزنامہ "تجارتی رہبر" فیصل آباد۔ مورخہ ۲۰ جنوری ۱۹۸۰ء

مصباح العقائد ترجمہ نامۂ شیعیان کا بغور مطالعہ کیا۔ اس کتاب کی اشاعت دنیائے شیعیت کیلئے بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اثنا عشری حضرات کے علاوہ دوسرے مسالک و عقائد سے وابستہ حضرات کیلئے بھی بغرض معلومات بڑی مفید ہے نامۂ شیعیان دراصل حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ آقای الحاج میرزا حسن الحائری الاحقاقی مدظلہ کی تالیف ہے جسے مبلغ اعظم اکیڈمی کے فاضل رکن مولانا الحاج ناصر حسین صاحب نجفی نے اردو ترجمہ کر کے اہلِ عجم کے لئے تحفہ بنا دیا ہے۔ ترجمہ اس خوبصورت انداز میں کیا گیا ہے کہ اصل فارسی عبارت کے مفہوم کو کہیں بھی مجروح نہیں ہونے دیا۔

یہ کتاب چار ابواب پر منقسم ہے۔ ان ابواب میں کسروی کے پھیلائے ہوئے غلط عقائد اور شیعیانِ علیؑ پر باندھے ہوئے اتہام کا بڑے سلیقے اور قرینے سے جواب دیکر کسروی کی اثنا عشری دشمنی کو ظاہر کیا گیا ہے۔ تمام کتاب سوال و جواب کی صورت میں بڑی آسان اور پُر از معلومات ہے جس کے پڑھنے سے شیعیانِ علیؑ کے عقائد اور مذہبِ شیعہ کی حقانیت آئینہ کی طرح سامنے آجاتی ہے۔ اس کتاب کو ہر شیعہ کیلئے پڑھنا انتہائی ضروری ہے۔

خاکپائے اہلبیتؑ
اختر سدیدی



فخرِ قوم الحاج سیّد سکندر حسین شاہ صاحب صدر درسِ آلِ محمدؐ
جن کی کاوشوں سے درسِ آلِ محمدؐ ترقی کی راہ پر گامزن ہے



مولینا الحاج ناصر حسین صاحب نجفی مؤسس مبلغ اعظم اکیڈمی

حرفِ مترجم

ایک زبان کا کسی دوسری زبان میں ترجمہ کرنا اس میدان میں ایک نووارد شخص کے لئے ذرا دقت طلب کام ہے۔ یہ میری پہلی کوشش ہے کہ "نامۂ شیعیان" فارسی کا ترجمہ کر رہا ہوں۔ اگرچہ میں نے سلیس اردو میں ترجمہ کرنے کی انتہائی کوشش کی ہے لیکن اس کے باوجود عدیم الفرصتی کی وجہ سے کچھ خامیاں رہ گئی ہیں جس کا مجھے اعتراف ہے۔ لیکن مجھے امید ہے کہ مومنین کرام ان خامیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف مقصد کتاب کی طرف توجہ فرماتے ہوئے حقیر کی حوصلہ افزائی فرمائیں گے

کتاب "نامۂ شیعیان" مرجع عالیقدر شیعہ حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ آقای الحاج میرزا حسن الحائری الاحقاقی مدظلہ کی مفید ترین تالیفات میں سے ایک ہے۔ یہ ایک استدلالی کتاب ہے جو اصول پنجگانۂ اسلام اور شیعہ (توحید، عدل، نبوت، امامت، قیامت) کے اثبات اور کسروی اور اس کے ہم عقیدہ لوگوں کی رد میں ۱۳۶۳ھ میں لکھی گئی ہے اس کتاب میں روئے سخن بلتدی اور نوجوانوں کی طرف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مؤلف معظم نے مطالب کے اثبات میں دقیق فلسفی استدلال سے اعراض فرمایا ہے اور نہایت ہی سادہ الفاظ میں کسروی کے عقائد باطلہ کی رد فرمائی ہے

اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر موصوف نے ہمیں حکم فرمایا ہے کہ یہ کتاب مزید دس ہزار کی تعداد میں شائع کر کے پورے پاکستان میں پھیلائی جائے۔ تاکہ کسروی جیسے لوگوں کے عقائد سے دنیا آگاہ ہو جائے۔ یہ کتاب عوام خصوصاً عصرِ حاضر کے نوجوانوں کے لئے بہت ہی مفید ہے۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اصولِ دین کے بارے میں مشکل مسائل کو سوال و جواب کے ذریعے احسن طریقہ سے حل کیا گیا ہے۔

اس کی طباعت کے جملہ مصارف مؤلف معظم متع اللہ المومنین بطول بقائہ نے مرحمت فرمائے ہیں یہ نامہ شبیعیان کے مؤلف اسلامی جمہوریہ ایران کی ایک عظیم المرتبت اور مشہور و معروف شخصیت ہیں جن کا مختصر طور پر تعارف حسب ذیل ہے :-

اسم مبارک اور ولادت باسعادت :-

آپ کا اسم مبارک میرزا حسن بن موسیٰ بن محمد باقر الاسکوئی الحائری الاحقاقی ہے۔ آپ کی ولادت ۲ محرم الحرام ۱۳۱۸ھ کو کربلائے معلیٰ عراق میں ہوئی۔

آپ کا خاندان

آپ تبریز کے ایک مشہور و معروف علمی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ کے جدامجد میرزا محمد باقر اسکوئی متوفی ۱۳۰۱ھ کثیر کتب کے مصنف تھے

اور آپ عرب و ایران اور قفقاز کے اکثر شیعوں کے مرجع تقلید تھے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے حرم مبارک میں بالائے سر نماز پنجگانہ باجماعت پڑھایا کرتے تھے۔ آپ شیخ مرتضیٰ انصاری رحمتہ اللہ علیہ صاحب رسائل و مکاسب کے جلیل القدر تلامذہ میں سے تھے۔ زہد و تقویٰ میں اتنے بلند تھے کہ اپنوں اور غیروں میں سلمانِ عصر کے لقب سے مشہور تھے۔

آپ کے والد بزرگوار حضرت آیت اللہ شیخ موسیٰ بھی اپنے عصر کے عظیم عالم محقق اور مرجع تقلید اور صاحب رسالہ مجتہد تھے اور اپنے والدِ گرامی کی وفات کے بعد ان کی جگہ پر حرم مبارک حضرت امام حسین علیہ السلام میں نماز پڑھایا کرتے تھے۔ آپ کے مقلدین کی تعداد بھی سعودی عرب، کویت، قطیف، بصرہ، تبریز، میلان، خسروشاہ، گورگان، گورگان، تہران، مشہد مقدس، قوچان، شیروان اور دیگر شہروں میں بکثرت تھی۔ آپ کا رسالہ عملیہ نجف اشرف اور تبریز میں عربی و فارسی میں کئی مرتبہ شائع ہوا۔ علمی دنیا میں آپ کا ایک عظیم مقام ہے۔ آپکی پیدائش سنہ ۱۲۷۹ھ میں کربلا معلیٰ میں ہوئی اور سنہ ۱۳۶۱ھ میں وفات پائی۔

آپکے برادرِ بزرگ جامع المعقول و المنقول آیۃ اللہ میرزا علی الحائری کا بھی اپنے زمانے کے عظیم مراجع میں شمار ہوتا تھا۔ آپنے نجف اشرف

کے مجتہدین خصوصاً آیۃ اللہ محمد کاظم خراسانی صاحب کفایۃ الاصول ، آیۃ اللہ شریعت اصفہانی اور آیۃ اللہ سید مصطفیٰ کاشانی اعلی اللہ مقامہم سے اجازۂ اجتہاد حاصل کیا۔ آپ کے ہی دم سے آج کویت میں شیعہ مساجد میں علیؑ ولی اللہ کی صدائیں آرہی ہیں

تعلیم و تربیت

آپ نے ابتدائی تعلیم مُلّا فخرالاسلام خسروشاہی سے حاصل کی۔ آپ پانچ سال کی عمر میں قرآن مجید ختم کرکے اور ضروری کتابت و قرأت سے فارغ ہوکر نجف اشرف لے گئے۔ وہاں دیگر علماء کرام کے علاوہ اپنے والد بزرگوار سے بھی استفادہ فرمایا۔ اس کے بعد آپ مشہد مقدس آئے اور وہاں کے اعاظم مجتہدین آیۃ اللہ فقیہہ سبزواری اور آیۃ اللہ شیخ محمد حسن طوسی اور آیۃ اللہ شیخ احمد کفائی خلف صاحب کفایۃ الاصول کا شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ آپ کے تقدس اور علمی منزلت کو دیکھ کر مشہد مقدس، نجف اشرف اور کربلاء معلیٰ کے مجتہدین نے اجتہاد کے اجازے عطا فرمائے۔

آیۃ اللہ احقاقی کی خدمات

حضرت آیۃ اللہ احقاقی مدظلہٗ اکابر مجتہدین میں سے ہیں اور شام کے شہروں کے شیعہ آیۃ اللہ العظمیٰ آقای سید محسن الحکیم طباطبائی اعلی اللہ مقامہٗ کی وفات کے بعد آپ کے

مقلد ہیں۔ اس کے علاوہ ایران، ریاستہائے خلیج اور سعودی شیعہ ریاستوں میں آپ کے بہت زیادہ مقلد ہیں۔ آپ بھی اپنے والد بزرگوار کی طرح حرم حضرت امام حسین علیہ السلام میں نماز باجماعت پڑھاتے رہے اور عراقی حکومت کے ظلم و تشدد کی وجہ سے آپ اور آیتہ للہ سید محمد شیرازی مدظلہ نے کربلا کو خیرباد کہہ کر کویت میں قیام فرمایا۔ کویت میں آپ ہی کی جدوجہد سے اذان میں "اشہد ان علیاً ولی اللہ" کو قانونی و شرعی حیثیت دی گئی۔

اور کویت میں ہر روز تقریباً ۸ بجے صبح مجلس ہوتی ہے جسمیں موصوف خود بھی شریک ہوتے ہیں۔ ہر جمعہ کو ایک علمی محفل منعقد کی جاتی ہے جس میں مومنین کے سوالات کے جوابات دیتے ہیں اور بعد میں ان کو مومنین کے استفادہ کے لئے بنام الدین بین السائل والمجیب شائع کرتے ہیں۔ انشاء اللہ ہم عنقریب ان رسائل کا ترجمہ شائع کرنیکی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

شام میں غریب شیعوں کے لئے مساجد، امام بارگاہیں، کتب خانے اور دینی مدارس کا قیام عمل میں لائے اور شام کے جو دینی طلباء نجف اشرف اور دیگر ممالک میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں ان کو معقول وظائف دے رہے ہیں تاکہ وہ علم دین حاصل کر کے صحیح معنوں

ہیں خدمتِ دین کر سکیں۔

تبریز (ایران) میں آپ نے ایک عالیشان تاریخی مسجد تعمیر کرائی ہے۔ جس میں پچپن کمرے اور چالیس ستون ہیں ستونوں کو سیاہ رنگ کے بیش بہا پتھروں سے مزین کیا گیا ہے۔ اس مسجد کی لمبائی ۵۷ میٹر اور چوڑائی ۲۵ میٹر اور ۳۵ سنٹی میٹر ہے۔ اس کے پانچ دروازے ہیں جن پر پنج تن پاک کے اسمائے گرامی تحریر کئے گئے ہیں ــــ اور دیواروں پر تحریر کردہ آئمہ معصومین علیہم السلام کے فضائل کی احادیث فنِ خطاطی کا عظیم شاہکار ہیں۔ مسجد کے ساتھ ایک دینی مدرسہ بنام "حضرت صاحب الزمان" تعمیر فرمایا ہے جہاں دینی طلباء کثرت سے علمِ دین میں مشغول ہیں۔ آپ پاکستان میں درس آلِ محمدؐ اور دیگر دینی مدارس کی بھی مالی اعانت فرما رہے ہیں

مؤلف کی انہی خدمات کو دیکھ کر ہم نے ان کی کتاب کا ترجمہ شائع کر کے مومنین تک پہنچانے کی کوشش کی ہے تاکہ مومنین اس کا مطالعہ فرما کر اپنے قلوب کو صحیح عقائد سے منور کریں اور غلط قسم کے لوگوں کے غلط پروپیگنڈہ کا پول کھل جائے۔ امید ہے مومنین اپنی آراء سے ہمیں ضرور مطلع فرمائیں گے۔

خاکپائے اہلبیتؑ

ناصر حسین نجفی

(۱)

مبحثِ توحید

(۲)

مبحثِ نبوّت

(۳)

مبحثِ امامت

(۴)

مبحثِ معاد

توحید

ع :- جناب عالی! میرا سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ فرمایئے دین کی حقیقت کیا ہے؟

ح :- (مصنّف کا نام) بیٹا! حقیقتِ دین معرفتِ خدا ہے۔

ع :- وجودِ صانع یعنی کائنات کے پیدا کرنے والے کے وجود کے اثبات کے لئے ہمارے پاس واضح تر دلیل کیا ہے۔ مادہ پرست لوگوں کا تو کہنا ہے کہ کائنات بغیر کسی صانع کے خود بخود آہستہ آہستہ موجودہ حالت تک پہنچتی ہے۔ کسروی لکھتا ہے کہ خود اس کے سوا کوئی شخص مادہ پرستوں کو جواب نہیں دے سکتا ہے۔

ح :- اوّلاً :- کسروی نے جس برہان کا اپنے خطوط میں تذکرہ کیا ہے اس کے سلسلہ میں اس کا دعویٰ کہ یہ برہان خود اس کا قائم کردہ ہے محض ادّعاء ہے بلکہ یہ متألہین کی تحریروں میں پہلے سے موجود ہے۔

ثانیاً :- مصنوع کا وجود ہی صانع کے اثبات کیلئے کافی ہے

اور اس کے ہوتے ہوئے دیگر براہین و ادلّہ کی ضرورت نہیں رہتی ان ارضی و سماوی مناظر اور موجودات میں کامل توازن اور مکمل تعادل کے مشاہدہ کے بعد اس بات میں کوئی شک ہی نہیں رہتا کہ کائنات کو بنانے والا کوئی ہے اور وہ ایک ہے۔ پس کسی دوسری دلیل کی احتیاج ہی نہیں رہتی۔ چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے:-

أَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ۔

آیا اللہ کے بارے میں جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے کسی طرح کا بھی کوئی شک ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ جو شخص دلیلِ وحدانی کو چھوڑ کر کسی اور برہان کا مطالبہ کرتا ہے وہ بے عقل و کم مایہ ہے موجودات کے تمام افراد میں پائی جانے والی کامل شباہت و تماثل چاہے وہ مچھر اور ہاتھی میں ہو یا خورد بینی جرثوموں اور سمندری دیو ہیکل جانوروں میں، اور زمین و آسمان کی بناوٹ کی کیفیت، عالم بے پایاں کا حیران کن انتظام اور ہر کڑی کا دوسری سے ربط و تعلق، زمینی و آسمانی مواد کا اتحاد و اجتماع اور وسائل زندگی کی یکسانی و بقاء ثابت کرتے ہیں کہ ان سب کا پیدا کرنے والا صرف اور صرف ایک ہے۔ یہ سب ایک صاحب حکمت و قدرت کا کرشمہ ہے۔

توحید باری تعالےٰ کا عقیدہ رکھنے والوں نے خلل سے پاک ایک وجدانی قانون کی پیروی کی ہے اور خدائے یکتا پر ایمان لائے ہیں۔ چونکہ انہوں نے دیکھا کہ کسی مصنوع کا بھی ہونا صانع کے بغیر محال و ناممکن ہے۔ اس لئے جہانِ ہستی کے محیّر العقول کارخانہ کے لئے بھی انہیں صانع کا اقرار کرنا پڑا۔ اس عقیدہ کیلئے انہیں کسی اور دلیل کی ضرورت نہ رہی۔

اب یہ تو مادہ پرستوں کی ذمّہ داری ہے کہ وہ اپنے دعویٰ پر دلیل لائیں۔ آیا مادہ پرست یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ مثلاً اس پنجرہ کو بنانے والا کوئی نہیں یا اس عمارت کے معمار کا کوئی وجود نہیں یا اس سلائی کی مشین کا کوئی موجد نہیں؟ اگر ان میں سے کسی بات کو وہ کسی برہان سے ثابت کر سکیں تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ خدا شناس اپنے عقیدہ سے دستبردار ہو جائینگے بیٹے دیکھو! گدھا جو تمام حیوانات میں سے احمق سمجھا جاتا ہے جب اسے پیچھے سے کوئی لاٹھی مارتا ہے تو وہ بھی محسوس کرتا ہے کہ اس کے مارنے والا کوئی ہے اور اس اثر سے مؤثر کے وجود کا ادراک کرتا ہے تو آیا یہ مادہ پرست چاہتے ہیں کہ دیدہ دانستہ گدھے سے بھی احمق تر بن جائیں۔

رع :۔ نیم مسکراہٹ کے ساتھ کہتا ہے کہ اس برہان سے واضح تر

اور کوئی برہان نہیں ہے اور ہر سمجھدار آدمی اس دلیل کو کافی سمجھے گا اب میری خواہش ہے کہ آپ مذہب امامیہ کے عقیدۂ توحید کو مفید و مختصر طریقے سے بیان فرمائیں۔ چونکہ کسٹری شیعہ کے موحد ہونے میں اشکال تراشی کرتا ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس مبحث میں اس کے اعتراضات کو بھی وضاحت سے ذکر کروں۔

ح :- ہمارا شیعہ کا شجرۂ عقائد صرف اسلام کے پاک وصاف سرچشمہ سے سیراب ہوتا ہے۔ ہم خدا کی ذات، صفات، افعال اور عبادات میں توحید کے قائل ہیں۔

توحید ذات

یعنی وہ پاک و مقدس ذات جو ہمیشہ واجب الوجود ہے تمام مخلوقات کا وجود و بقاء اسی کے اثر حیات سے ہے۔ کائنات کا پہیہ اسی کے حکم سے گھوم رہا ہے اور جہان والوں کے تمام انفعالات اسی کے فعل و مشیّت کے تابع ہیں، یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ احتیاج سے منزّہ ہے کسی مدد یا مددگار کا محتاج نہیں ہے۔ وہ کسی شئے سے پیدا نہیں ہوا اور نہ کوئی شئے اس کی مقدس ذات سے پیدا ہوئی ہے۔ اس کی ذات ہر وقت ہر جگہ حواس کے ادراک سے مبرّا اور فکر و تعقّل کی رسائی

سے بالاتر ہے۔

توحید صفات

اسی طرح علم، قدرت، حیات، سمع و بصر وغیرہ صفات ثبوتیہ اس کی ذات سے مخصوص ہیں اور ان صفات میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی دائرہ وجود میں استقلالی طور پر قادر، عالم سمیع و بصیر نہیں ہے۔ عالم کے تمام ذرات و حقائق گذشتہ و آئندہ واقعات اور زمین و آسمان کے حالات کا بالاستقلال و بالاحاطہ عالم و دانا فقط اسی کی ذات ہے۔ فرشتوں، نبیوں یا نبی کے وصیوں کو ان امور پر آگاہی خدا کی تعلیم سے ہی ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ انہیں وحی و الہام سے علم نہ عطا فرماتا تو وہ عالم نہ ہوتے اور نہ ہو سکتے۔ ان کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ خدا کا عطا فرمودہ ہے کسی اور جگہ سے وہ کچھ نہیں لائے اور اس جہان میں بھی ان کا ادراک موہبتِ خداوندی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی عطا نہ ہوتی تو کسی چیز کے ادراک کا اکتساب نہ کر سکتے۔ عام مخلوق صرف ان قوتوں سے استفادہ کرتی ہے جو ان کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہیں۔ لیکن یہ برگزیدہ ہستیاں جنہیں اللہ تعالےٰ نے کائنات کی تربیت کے لئے بھیجا ہے۔ براہِ راست بھی اپنے بھیجنے والے سے استفادہ کرتی ہیں مقصد

یہ کہ عالم و قادرِ مطلق صرف خدا ہے کہ جس کے علم و قدرت کی کوئی حد و سرحد نہیں ہے۔

توحید افعال

پیدا کرنا، رزق دینا، زندہ کرنا اور مارنا ایسے امور ہیں جو خدا کے ساتھ مخصوص ہیں اور کسی کو بھی ان میں مداخلت کا حق یا شریک ہونیکی قدرت نہیں۔ ماں، باپ، بارش، ہوا، چاند، سورج، فلک، زمین، آسمان ستارے اور سیارے وغیرہ سب ان اسباب کا جزو ہیں جو خداوند کریم مسبب الاسباب نے اپنی حکمت کے مطابق اپنی مخلوقات کے نظام کے لئے قرار دیئے ہیں۔

اور جب بھی کوئی فرشتہ یا نبی وصی ان امور میں سے کوئی کام سرانجام دے تو دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو خداوند کریم کے اذن سے بعنوان معجزہ و خارق العادہ حق کی قدرت نمائی اور اپنی حقیقت اثبات کے لئے ہوگا جیسے حضرت عیسےٰ کا چمگادڑ کو خلق کرنا اور مُردوں کو زندہ کرنا کہ ان دونوں باتوں کو خداوند کریم نے حضرت عیسےٰ کی طرف قرآن میں نسبت دی ہے۔ اور یا پھر خالق کائنات ان ہستیوں میں سے بعض کو از جملہ اسباب تکوین قرار دیتا ہے اور وجود کے وسائل میں سے ایک وسیلہ شمار ہوتے ہیں جیساکہ قرآن مجید میں فرمایا ہے قُلْ یَتَوَفّٰکُم

مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ ۔ کہہ دو کہ ملک الموت تمہاری رُوح کو پُوری طرح قبض کرے جاتا ہے جو تم پر مقرر کیا گیا ہے یقیناً ملک الموت کو روحوں کے قبض کرنے میں ذرہ برابر استقلال حاصل نہیں ہے بلکہ وہ مامور من اللہ ہے اور وسائل میں سے ایک وسیلہ ہے۔

توحید در عبادات

ہم خداوند کریم کے سوا کسی اور کی عبادت جائز نہیں جانتے ۔ خالق ارض و سما خدا کے سوا تسبیح و تقدیس کے لائق کوئی نہیں ہے (سبحان ربی الاعلیٰ و بحمدہٖ) رکوع و سجود اور ہر ایسا فعل جو طاعت، عبادت، خضوع، خشوع اور تذلّل کی علامت ہو صرف ذاتِ کبریا کے لائق ہے اور کسی کیلئے نہیں ۔

حتیٰ کہ شیعہ کے نزدیک ہر وہ طاعت اور عبادت جس میں خداوند کریم کی قربت و رضا کے سوا ذرّہ برابر کوئی اور چیز مخلوط ہو چاہے نمازوں کے اندر ایسا ہو اور چاہے صدقات میں ہو ایسی عبادت و طاعت بارگاہِ ایزدی سے ردّ کر دی جاتی ہے۔

یہ ہے پروردگارِ عالم کی توحید کے بارے میں شیعہ کا عقیدہ۔

ع :- کسروی کہتا ہے کہ شیعہ شرک کرتے ہیں، مُردوں کو پوجتے ہیں اور گنبدوں کی پرستش کرتے ہیں اور یہ جو مشاہد مقدسہ کی زیارت کے لئے جاتے ہیں اپنے اماموں کی عبادت کے لئے جاتے ہیں۔ کسروی کا دعویٰ ہے کہ یہ بات اس زمانے کے بعض نوجوانوں کے نزدیک ناقابلِ تردید ہے۔ میری آپ سے گذارش ہے کہ کسروی کے اس اعتراض کی ردّ احسن طور پر بیان فرمائیں۔

ح :- عزیز من! یہ اعتراض کسروی کا نہیں بلکہ اس کے وہابی استاذوں کا ہے جن کی وہ اندھی تقلید کرتا ہے۔ بہرکیف ناواقفی کی وجہ سے اعتراض کرنے والوں کو جواب دینے کے لئے ہمیں کسی دوسری دلیل و برہان کی ضرورت نہیں۔ میں آداب زیارت کا کچھ حصّہ اور دُعاؤں کے چند فقرات جو مشاہدِ مقدّسہ میں سرانجام پاتے ہیں یہاں ذکر کروں گا۔ تاکہ کسروی کا اتہام اور بُغض آشکار ہو جائے اور ہر ایک پر روشن ہو جائے کہ شیعہ مظلوم اور موحد قوم ہے۔

جب شیعہ اثنا عشری زائر زیارت کے لئے تعلیماتِ نبوی کے مطابق وضو یا غسلِ زیارت بھی کر لیتا ہے تو پہلی رواق

کے دروازے پر کھڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے۔ (اللہ اکبر کبیراً والحمد للہ کثیراً وسبحان اللہ بکرۃً واصیلاً)

(الحمد للہ علیٰ هدانا لدینه والتوفیق لما دعا الیه من سبیله) اللّٰھمّ انّك اکرم مقصود اکرم ماُتی و قد اتیتك یا الٰھی متقربًا الیك بابن بنت نبیّك محمّد صلوات علیه و اٰله اللّٰھمّ فلا تخیب سعی ولا تقطع من فضلك رجائی واجعلنی عندك وجیھا فی الدّنیا والاٰخرۃ ومن المقربین۔

یہ آدابِ زیارت میں سے اوّلین دعا ہے۔ زائر سب سے پہلے خدا کی حمد و ثنا اور تکبیر و تسبیح کے ساتھ زبان کو کھولتا ہے اور کہتا ہے کہ حمد و شکر خدا کے لئے ہے جس نے اپنے دین کی مجھے ہدایت فرمائی اور اپنے راستے کی توفیق عطا کی جس کی طرف اس نے دعوت دی تھی۔

اے اللہ! تو بزرگ ترین مقصود ہے تو اُن سب سے کریم ترین ہے جن کے پاس آنے والے آتے ہیں۔ اے اللہ میں آیا ہوں تاکہ تیرے پیغمبر کی دختر کے بیٹے کے وسیلے سے تیری بارگاہ میں تقرب

حاصل کروں۔ اے اللہ مجھے ناکام نہ فرمانا اور اپنے فضل سے میری اُمید کو قطع نہ کرنا، مجھے دُنیا و آخرت میں صاحبِ عزّت بنا اور مجھے اپنے مقرّب بارگاہ بندوں میں سے قرار دے۔ خصوصاً یہ فقرہ کہ انت اکرم مقصود و اکرم ماتی" یعنی "خدایا تُو ہی بہترین و بزرگ ترین مقصود و ماوی ہے"۔ ثابت کرتا ہے کہ اثنا عشری زائر فقط وحدہٗ لاشریک خدا کی عبادت کے قصد سے اس مقدس روضہ میں قدم رکھتا ہے اور بس۔

اور اس کا زیارت بجالانے کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا اس کے عقیدۂ توحید کا مزید اثبات کرتا ہے۔ بالخصوص وہ دعا ملحوظ رہے جو نماز زیارت کے بعد حضرت امام حسین علیہ السّلام سے آداب زیارت میں مروی ہے:۔ "اللّٰھمّ انی صلّیت و رکعت و سجدت لک وحدک لا شریک لک لانّ الصّلوٰۃ والرکوع والسجود لا یکون الّا لک لانّک انت اللّٰہ لا الٰہ الّا انت اللّٰھمّ صلّ علیٰ محمّد و اٰل محمّد وابلغھم عنّی افضل السّلام والتحیّۃ واردد علیّ منھم السّلام"۔

یعنی اے اللہ میں نے تجھ یکتا معبود کے لئے جس کا

کوئی شریک نہیں نماز پڑھی، رکوع کیا اور سجدہ کیا۔ کیونکہ نماز، رکوع اور سجدہ تیرے سوا کسی کے لئے ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ اے اللہ تو ہی معبود ہے تیرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ اے اللہ تو محمد و آلِ محمد پر اپنی رحمت بھیج اور میری طرف سے انہیں بہترین سلام و درود پہنچا اور ان کی جانب سے سلام کا جواب مجھے دلوا۔

اے عزیزِ من! اب تبلا اس سے بڑھ کر توحید کے بارے میں اور کیا بیان ہو سکتا ہے کہ زائر خداوند عالم کی وحدانیت و یکتائی کا اعتراف بھی کر رہا ہے اور اپنی تمام عبادتوں کو اسی معبود وحدہ لاشریک لہٗ کے لئے سرانجام دیتا ہے۔ خداوند کریم کی بارگاہ میں اپنی بندگی اور عاجزی کے اس تمام اقرار و اعتراف کے بعد بھی آیا شیعہ کے بارے میں کوئی صاحبِ عقل شخص کسروی کی تہمت تراشی اور افترا پردازی پر کان دھر سکتا ہے۔ آیا پاک طینت جوان ان دعاؤں کے دیکھنے اور خدا پرستی کے مطالب کے مطالعہ کے بعد بھی کسروی کی تصدیق کر سکتے ہیں۔

مجھے تو کسروی پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ تہمت و کذب کی عاقبت کی بربادی و رسوائی سے بھی نہیں ڈرتا اور مظلوم شیعوں کے ساتھ جو حقیقت خواہ و طالبِ حق ہیں دشمنی کو پیشہ و ہنر بنائے بیٹھا ہے

ہمارے مذکورہ بیان سے بھی بالاتر ان دعاؤں میں مطالب موجود ہیں۔ "کلمۂ" اللہ اکبر" یعنی اللہ تعالےٰ سب سے بڑا ہے۔ زائر کی توجہ کو ان مقاماتِ مقدسہ کی عظمت و شوکت، بلند و بالا گنبد طلائی اور سنہری و سیمابی مرصّع ضریح اور زائرین کے ہجوم و کثرت سے ہٹا کر خداوند کریم کی جبروت و کبریائی کی طرف لے جاتا ہے۔

زیارت جامعہ کبیرہ کے آداب میں اللہ اکبر کا سو بار پڑھنا مذکور ہے کیونکہ اس زیارت میں آئمہ اطہار علیہم السلام کے فضائل نسبتاً زیادہ مذکور ہیں۔ لہٰذا ضروری تھا کہ زائر کی توجّہ کو خدائے بے نیاز کی جانب متوجّہ کرنے میں زیادہ تاکید ہو۔ ہم معترضین سے عرض کریں گے وہ اس زیارت اور ان دعاؤں کو دیکھیں پڑھیں اور انصاف فرمائیں۔

شیعہ زائر بیچارہ تو کہتا ہے۔ اے اللہ میرا اس حرم مبارک میں آنا بھی محض تیری رضا کے لئے ہے اور میرے یہ تمام اعمالِ عبادت تیرے لئے ہیں۔ تیرے سوا میرا کوئی اور مقصودِ حقیقی نہیں ہے لیکن پھر بھی بے حقیقت کسروی کہتا ہے کہ شیعہ اپنے اماموں کی پرستش کرتے ہیں۔ نہ معلوم شیعہ کے ساتھ اسے عداوت کیا ہے؟ کہ ان کے خلاف کسی بھی جرم سے دریغ نہیں کرتا۔ حالانکہ دروغ بافی

اور افترا پردازی شرمناک ترین جرم ہے۔

یہ اعتراض وہابیوں کے اس دوسرے اعتراض کی طرح محض کذب و دروغ ہے۔ جب وہ خاکِ کربلا کو شیعہ کی سجدہ گاہ میں دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ رافضی بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور نماز میں اپنے بتوں پر سجدہ کرتے ہیں۔

ان بے خبروں کو پتہ نہیں اور نہ ہی وہ اسے معلوم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں کہ مذہب جعفری کے نزدیک حالتِ نماز میں انسان کے کھانے پینے اور پہننے کی اشیاء اور معدنی چیزوں پر سجدہ جائز نہیں ہے اسی وجہ سے پاک مٹی کا ایک ٹکڑا عموماً اپنے ساتھ رکھتے ہیں اور ضرورت کے وقت مقامِ سجدہ پر رکھ لیتے ہیں۔ خاکِ کربلا کو فضیلت کی وجہ سے انتخاب کرتے ہیں۔ اور یہ وہ خاک ہے جسے سیّد الشہداء جگر گوشۂ مصطفٰے علیہ السلام کے بدن سے مجاورت کا شرف حاصل ہے۔

اگر پاک زمین یا پاک مٹی میسّر نہ ہو تو پھر لکڑی، تختہ، درختوں کی چھال اور پتّوں پر بھی سجدہ کر لیتے ہیں اور اس کا اس افتراء کردہ افسانہ سے کوئی ربط نہیں ہے جو معترضین گھڑ لیتے ہیں۔ کسروی کا اعتراض بھی اسی قسم کا ہے۔

ع:- آپ نے یہاں جو کچھ ارشاد فرمایا صحیح اور بے اشکال ہے لیکن

لیکن کسروی کہتا ہے کہ آپ کا جواب اعتراض کے مقابل ہیں العیاذ باللہ بُت پرستوں کے جواب کی طرح ہے جو حضور پیغمبر اسلام سے کہتے تھے۔ ہم بتوں کی پرستش اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔

ح۔ بیٹا! اب جبکہ میرے بیان سے واضح ہو چکا ہے کہ شیعہ آئمہ طاہرین علیہم السلام کی پُوجا نہیں کرتے اور عبادت میں ان کو خدائے یکتا کا شریک نہیں بناتے اور وہ جو بھی اعمالِ عبادت بجالاتے ہیں محض رضائے پروردگار کے لئے سرانجام دیتے ہیں اور ان کی عبادت کا رُخ اور مقصود صرف اور صرف خداوند عالم ہے۔ ہم کسروی سے کہیں گے کہ اس نے ہمارے جواب کو بُت پرستوں کے جواب پر قیاس کر کے قیاس مع الفارق کی غلطی کی ہے۔ یعنی یہ قیاس کا مورد ہی نہیں ہے بلکہ اس نے سادہ ذہن لوگوں کو مغالطہ اور فریب دینے کی کوشش کی ہے بیٹا تو اعرب بُت پرستوں کا کہنا تھا کہ ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں تاکہ وہ ہمیں خدا کے قریب کر دیں۔ عرب مشرکین کے عقیدے اور ہمارے عقیدے میں دو واضح فرق موجود ہیں۔ ایک

فرق تو عبادت میں ہے کہ مشرکین بتوں کی پرستش کا اقرار کر رہے ہیں جبکہ شیعہ کا عقیدہ ہے کہ خدائے یکتا کے سوا کسی اور کی عبادت شرک اور غلط ہے اور خدا کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں ہے۔
دوسرا فرق یہ ہے کہ مشرکین کا موضوعِ گفتگو جامد و ساکت پتھر ہیں کہ جنہیں انہوں نے شفاعت کا وسیلہ بنایا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :" ویعبدون من دون اللہ ما لا یضرھم ولا ینفعھم ویقولون ھؤلاء شفعاؤنا عند اللہ یعنی ایسی چیز کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نہ فائدہ پہنچاتی ہے نہ نقصان، اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے نزدیک ہمارے سفارش کرنے والے ہیں۔ جبکہ شیعہ جن بزرگوں کو شفیع مانتے ہیں انہیں اللہ تعالےٰ نے پاک ترین حقائق سے خلق فرمایا ہے۔

بُت پرستوں کے قول کی قباحت دونوں مقام پر واضح ہے کہ وہ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں جبکہ ہم غیر خدا کی عبادت سے تبرّا کرتے ہیں۔ بُت پرست اپنے ہاتھ کی بنی ہوئی اشیاء کو شفیع سمجھتے ہیں جبکہ ہم خدا کے برگزیدہ و پسندیدہ ہستیوں کو شفیع مانتے ہیں۔

کسروی فہم و ادراک سے عاری ذہن رکھتا ہے جو صحیح نتائج کے اخذ کرنے سے قاصر ہے۔ کیا ایک بُت کو جسے عرب اپنے

ہاتھ سے تراش کر بناتے تھے جو ہر قسم کے کمالات و مواہب سے محروم ہے، عقلِ کُل، حبیبِ خدا، برگزیدۂ عظیم الشّان اور رسولِ صادق، خاتم الانبیاء جن کی شان میں خدا نے "لعمرک" تیری زندگانی کی قسم کا کلمہ نازل فرمایا ہے کے ساتھ ایک ترازو میں رکھا جاسکتا ہے؟

ع :۔ (خوشی سے مسکراتے ہوئے کہتا ہے) خدا گواہ ہے میری رُوح تازہ ہو گئی ہے اور ان بیانات سے اپنے اندر نشاط و سُرور کی لہر محسوس کرتا ہوں۔ لیکن اگر اجازت ہو تو اس سلسلہ میں بھی کسروی کا اعتراض کاملاً بیان کروں۔

ح :۔ میں نے تو ابتدائً ہی اجازت دے رکھی ہے اور دوبارہ کہہ رہا ہوں کہ کسروی کے خطوط میں جس قدر اعتراض آپ نے دیکھے ہیں ان کے جواب کا مجھ سے مطالبہ کرو۔ چونکہ مقصود یہ ہے کہ یہ سوال و جواب شائع ہوں۔ میں بھی چاہتا ہوں کہ کسروی کا کوئی ایسا اعتراض نہ رہ جائے جس کا جواب نہ دیا گیا ہو۔

ع :۔ کسروی سرے سے شفاعت ہی کا منکر ہے۔ وہ بہت سخت لہجے میں عقیدۂ شفاعت پر حملہ کرتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ خدا حاکم و بادشاہ نہیں ہے کہ اس کے دربار میں شفاعت صحیح ہو۔

نیز کسی بھی حکومت کی عدالت کے مقدمہ میں کسی مجرم و خاطی کیلئے سفارش نہیں کی جا سکتی تو یہ کہاں ہو سکتا ہے کہ خدائی عدالت گاہ میں ہو سکے۔ کیونکہ اس کی عدالت میں ہر قسم کی شفاعت مردود و محال ہے۔

ح:- قرآن کریم میں شفاعت کے بارے میں متعدد آیات نازل ہوئی ہیں اور خداوند کریم دنیا و آخرت میں شفیع کے ہونے اور شفاعت کی قبولیت کا ذکر فرماتا ہے۔

ع:- جناب عالی! کسروی شاید آیات کو قبول نہ کرے آپ برہانِ عقلی اور کوئی دیگر دلیل بیان کریں تاکہ اسے راہِ فرار نہ مل سکے۔

ح:- اگر کسروی قرآن یا حدیث پیغمبر اسلام پر معترض ہو اور اسے قبول نہ کرے تو اسے دلیل عقلی اور برہان منطقی سے جواب دیں لیکن کسروی تو ہم شیعوں کے عقائد و نظریات پر اعتراض کرتا ہے بلکہ ان ایرادات میں وہ آیات متشابہ کی غلط تاویل سے امامیہ کو مطعون کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنے گمان وادعا باطل میں قرآن کے فرامین سے شیعہ کی رد کرتا ہے۔ اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس کے جواب میں سب سے پہلے قرآن مجید کی آیات محکمات

پیش کی جائیں اور اسے کتاب خدا کی صریح فرمائشات دکھلائیں اور ثابت کریں کہ مذہب شیعہ حقیقی اسلام ہے اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے عین مطابق ہے۔ اس کے بعد ہم دلائل عقلیہ بیان کریں گے تاکہ ہمارے عقائد کی صداقت و حقیقت اور کسروی کی جہالت اور ہیرا پھیری ظاہر ہو جائے انشاءاللہ

ع:- جناب والا صحیح فرماتے ہیں۔ آپ کی نظر مبارک میں جو آیات ہیں وہ تلاوت فرمائیں۔

ح:- **پہلی آیت** الذین یحملون العرش و من حولہ یسبحون بحمد ربھم و یؤمنون بہ و یستغفرون للذین اٰمنوا ربنا وسعت کل شیئ رحمۃ و علما فاغفر للذین تابوا واتبعوا سبیلک وقھم عذاب الجحیم ربنا و ادخلھم جنات عدن التی وعدتھم ومن صلح من اٰبائھم و ازواجھم و ذریاتھم انک انت العزیز الحکیم۔ (سورۂ مومن پارہ ۲۴)

یعنی حاملین عرش اور عرش کے ارد گرد والے اللہ کی

حمد و تسبیح کرتے ہیں اور اللہ پر ایمان رکھتے ہیں مومنین کیلئے مغفرت طلب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدایا تو رحمت و علم سے ہر شئے پر حاوی ہے۔ پس ان لوگوں کو بخش دے جنہوں نے توبہ کی اور تیرے راستے پر چلے۔ انہیں عذاب دوزخ سے محفوظ رکھ اور انہیں ان کے آباؤ اجداد، ازواج و اولاد کے ساتھ جنات عدن میں داخل فرما جن کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔ بیشک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

دوسری آیت والملائکۃ یسبحون بحمد ربھم ویستغفرون لمن فی الارض الا ان اللہ ھو الغفور الرحیم (سورہ شوریٰ آیتہ ۵)

یعنی فرشتے اپنے رب کی حمد و تسبیح کرتے ہیں اور زمین والوں کے لئے طلب مغفرت کرتے ہیں۔ آگاہ رہو بے شک اللہ ہی بہت بخشنے والا مہربان ہے۔

اللہ تعالےٰ ان دو آیتوں میں کھلے طور پر واسطے اور شفیعوں کے ہر وقت وجود کا اعلان فرما رہا ہے جو گنہگار انسانوں کے لئے طلب مغفرت کرتے ہیں۔

تیسری آیت:۔ یومئذ لا تنفع الشفاعۃ الا من

اذن لہ الرحمٰن ورضی لہ قولا۔ (سورہ طٰہٰ)

اس روز شفاعت فائدہ نہ دے گی مگر اس کی شفاعت کہ جس کے لئے خدا نے اذن دیا ہو اور اس کے لئے بات کو پسند کرے۔

اس آیت کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ کوئی شفاعت فائدہ نہ دیگی مگر اس شخص کی شفاعت کہ جسے اللہ تعالیٰ نے شفاعت کرنے کی اجازت دی ہو۔

اور دوسرا معنی یہ کہ کسی گنہگار کے حق میں شفاعت فائدہ نہ دے گی مگر اس گنہگار کو کہ جس کے حق میں شفاعت کئے جانے کی اجازت اللہ نے دے رکھی ہو۔

چوتھی آیت ولا یشفعون الا لمن ارتضیٰ۔ (سورہ انبیاء پارہ ۱۷)

اور وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر اسکی جس کے بارے اللہ کی رضا ہو گی۔

پانچویں آیت ومن ذا الذی یشفع عندہٗ الا باذنہٖ (سورہ بقرہ)

کون ہے جو اس کے پاس شفاعت کر سکے مگر اس کے

اذن سے ۔

چھٹی آیت

ولا تنفع الشفاعۃ عندہ الا لمن اذن لہ۔ (سورہ سبا پارہ ۱۹)

اس کے ہاں شفاعت فائدہ نہیں دے گی مگر اس کی جس کے لئے اس نے اجازت دی ہو۔

ساتویں آیت

وکم من ملک فی السمٰوٰت لا تغنی شفاعتھم شیئا الا من بعد ان یاذن اللہ لمن یشاء ویرضی۔ (سورہ والنجم)

آسمانوں میں بہت زیادہ فرشتے ہیں کہ ان کی شفاعت کچھ فائدہ نہیں دیتی مگر اس کے بعد کہ اللہ جس کے لئے چاہے اور پسند کرے اس کے بارے میں اجازت دیدے۔

ان پانچ آیات میں اللہ تعالےٰ ان گنہگاروں کے بارے میں جو قابلِ شفاعت ہیں اپنی اجازت کی شرط کے ساتھ قیامت کے دن شفیعوں کے وجود کا اثبات فرما رہا ہے۔

آٹھویں آیت

ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما۔ اگر گنہگار اس وقت

جبکہ انہوں نے اپنے نفسوں پہ ظلم کیا تیرے پاس آ جائیں اور اللہ سے طلب مغفرت کریں اور پیغمبرؐ ان کیلئے مغفرت چاہے تو ضرور بضرور خدا کو توبہ قبول کرنیوالا مہربان پائیں گے۔

یہ آیت شریفہ واضح کر رہی ہے کہ حضور رسول اکرمؐ کی شفاعت مقبول ہے اور ہرگز رد نہیں کی جائے گی۔

نویں آیت

و اذا قیل لھم تعالوا یستغفر لکم رسول اللہ لووا رؤسھم

جب ان منافقوں سے کہا جاتا ہے کہ آؤ۔ تاکہ اللہ کا رسولؐ تمہارے لئے طلب مغفرت کرے تو سر پھیر لیتے ہیں۔ (سورہ منافقون)

ان دو آیات میں اللہ تبارک و تعالےٰ خصوصاً سخت گنہگاروں کو بھی دربار پیغمبر اسلام کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ جاؤ اور اس کے حبیبؐ سے فائدہ حاصل کرو۔

دسویں آیت

وما کان اللہ معذبھم و انت فیھم۔ (سورہ انفال۔ پارہ ۱۹)

یعنی اے حبیبؐ جب تک آپ ان کے درمیان ہیں خدا ہرگز انہیں عذاب نہیں کرے گا۔

خداوند کریم اس آیہ کریمہ میں رسول اکرمؐ کے مرتبے کو اس

سے بہت بالاتر بیان فرمارہا ہے ،جتنا کوتاہ فکر تصوّر کرتے ہیں۔ یہ مقام گویا مقامِ شفاعت سے بھی بلند تر ہے ۔ اللہ فرمارہا ہے کہ جو عرب مستحق عذاب ہو چکے ہیں ، چونکہ آپ ان کے درمیان موجود ہیں اس لئے ہر گز ان پر عذاب نازل نہیں کروں گا اور ان کے قول و فعل کے بدلہ میں جلدی نہیں کروں گا۔

شفاعت کا انکار کرنے والے ملاحظہ کریں کہ رسولِ اکرمؐ ابھی ان کے لئے بیچ میں نہیں پڑے ، ابھی شفاعت کے لئے زبان مبارک نہیں کھولی ۔لیکن صرف آنحضرتؐ کا ان کے درمیان ہونا ہی عذابِ الٰہی کے نازل ہونے سے رکاوٹ بنا ہوا ہے اور خداوند کریم محض آپؐ کے وجود مبارک کے احترام میں ان مستحقینِ عذاب کو ان کے کیفر کردار تک نہیں پہنچارہا ۔ اب انصاف فرمائیے اگر کوئی مجرم و گنہگار اپنے کئے پر پشیمان ہو ، بارگاہِ ایزدی میں حاضر ہو اور حبیبؐ خدا اس کے لئے طلبِ مغفرت کریں تو کیا عقل اسے قبول نہیں کرتی کہ اسکے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور دریائے رحمتِ حق میں وارد ہو جائے گا۔

معلوم نہیں کسروی ان آیات مبارکہ صریحہ کے ہوتے ہوئے کیا کر رہا ہے ۔ گویا قرآن مجید اور اس کے روشن و واضح بیانات سے

بے خبر ہے یا کذب و فریب کا پھندہ ڈال رہا ہے۔ کیا وہ غریب قارئین کو اندھا اور بہرہ یا بھیڑ بکری تصور کرتا ہے؟

ع:۔ حقیقت میں یہ آیات مبارکہ دنیا و آخرت میں شفیع کے وجود کے اثبات کے بارے میں واضح و روشن ہیں۔ اور معلوم ہو گیا کہ شیعہ کا شفاعت کا عقیدہ نہایت پختہ بنیاد پر استوار ہے۔ لیکن ان آیات کے برابر میں چند دوسری آیات بھی ہیں جو شفاعت کی خصوصاً قیامت کے دن کی شفاعت کی نفی کرتی ہیں اور کسروی بھی انہی سے دلیل پکڑتا ہے۔ اس وجہ سے آیات کی ان دو قسموں میں تضاد نظر آتا ہے۔ اسی طرح دوسرے حقائق و معانی کے سلسلے میں بعض اوقات آیات میں تناقض دکھائی دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے اسلامی فرقوں کے عقائد میں اختلاف ہوا۔ خصوصاً کسروی نے تو اس تضاد و تناقض کے سلسلہ میں قرآن مجید پر بھی جسارت کی ہے۔

ح:۔ **میرے عزیز!** قرآن کریم میں قطعاً کسی قسم کا تناقض نہیں ہے اور اس کی آیت میں کوئی اختلاف نہیں اور کسروی یا اس جیسے دوسرے لوگ جسے تناقض و تضاد تصور کرتے ہیں وہ ان کی نادانی اور فکر کی کوتاہی ہے۔ مثلاً اسی مسئلہ شفاعت

کو ملاحظہ کرو۔ جو آیات شفیعوں کے وجود کا اثبات کرتی ہیں اور بارگاہ ایزدی میں ان کی شفاعت کی قبولیت پر دلالت کرتی ہیں ۔ وہ ان مومنین کے بارے میں ہیں کہ جن کے گناہ اور خطائیں قابلِ بخشش ہیں اور خود چونکہ وہ پاک عقیدہ اور درست ایمان رکھتے ہیں اس لئے قابلِ مغفرت ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ مقربانِ ایزدی میں سے کسی ایک فرد کی شفاعت گنہگار مومن کے نیک عقائد اور اعمال کا پلڑا بھاری اور اسے داخل بہشت کر دیتی ہیں۔

اور جن آیات میں خدائے عادل شفاعت کی نفی فرماتا ہے وہ کفّار اور مشرکین کے بارے میں ہیں جنہوں نے حق کے مقابل میں عداوت و مخالفت کا پرچم بلند کر رکھا ہو۔ یا ان منافقوں کے بارے میں ہیں کہ جنہوں نے خدا کے دشمنوں کے ساتھ عہد و پیمان کر رکھے ہوتے ہیں ۔ اور ان جیسے سیاہ بخت و سیاہ دل لوگ دنیا میں بھی درگاہِ الٰہی سے مردود قرار پاتے ہیں۔ آخرت کے ساتھ ہی اسکا اختصاص نہیں ہے ۔ اللہ تعالےٰ سورہ توبہ میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

"ما کان للنبي والذین اٰمنوا ان یستغفروا للمشرکین"
پیغمبر اور مومن کو نہیں چاہیئے کہ وہ مشرکین کیلئے طلب مغفرت کریں۔

سورۂ توبہ میں ہی ارشاد ہے :۔

استغفر لھم اولا تستغفر لھم ان تستغفر لھم سبعین مرّۃ فلن یغفر اللہ لھم بانھم کفروا باللہ ورسولہ ۔

یعنی اے حبیبؐ تو ان کے لئے مغفرت طلب کرے یا نہ کرے برابر ہے اگر تُو ان کے لئے ستّر بار بھی مغفرت طلب کرے تو اللہ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا ۔ کیونکہ اُنہوں نے خدا اور رسُول کے ساتھ کفر کیا ہے ۔

سُورہ منافقون میں بھی اسی طرح کی ایک آیت موجود ہے اور قرآن مجید میں دیگر مقامات پر بھی اس مطلب کی بہت سی آیات ہیں ، وہ سب اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ لوگ قابلِ بخشش نہیں ہیں اور ان کا گناہ جو شرک ، کُفر یا نفاق ہے وہ قابلِ عفو و درگذر نہیں ہے اور شفاعت ان پر اثر نہیں کرے گی ۔ پس اس بیان سے واضح ہوا کہ ان آیات کے درمیان کوئی تناقض نہیں ہے اور یہ آسمانی کلام اپنی اپنی جگہ صحیح اور روشن ہے ۔

یہ نکتہ بھی فراموش نہ کریں کہ آیۂ شریفہ ماکان للنّبی والذین اٰمنوا ان یستغفروا للمشرکین ۔ اپنے مفہوم سے اس

بات پر دلالت کرتی ہے کہ مومنوں کے بارے میں شفاعت و سفارش ہو سکتی ہے اور یہ سفارش و شفاعت مومن بھی کر سکتے ہیں - جب مومن بھی شفاعت کر سکتے ہیں تو امیرالمومنینؑ اور سیّد الانبیاءؐ کا مقام تو بہت بلند ہے -

ان آیات کے علاوہ قرآن مجید میں متعدد آیات ہیں جن میں مومنوں کو خطاب کر کے خدا فرماتا ہے کہ اپنے لئے، اپنے ماں باپ کے لئے، مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے طلبِ مغفرت کرو - احادیث معصومؑ تو اس مسئلہ کے بارے میں اسقدر ہیں کہ میری طاقت سے ان کا احصار و شمار باہر ہے -

ع :- کچھ دیر سوچنے کے بعد کہتا ہے - آیا شفاعت اور دُعا ایک ہی چیز ہے - اگر ایسا ہے تو کسروی بڑا نادان اور کوتاہ فکر معلوم ہوتا ہے - یہ تو بہت صاف سادہ اور غیر پیچیدہ مسئلہ ہے میرے گمان میں تو خود کسروی بھی فطری طور پر قلم اور زبان سے دُعا یا بد دُعا کرتا ہے - اگر کسروی خدا کا قائل ہے تو یقیناً خود اپنے معتقدین کے لئے خیر و سعادت کی دُعا کرتا ہوگا - نہ معلوم یہ بیچارہ کس قدر گمراہ اور بھٹکا ہوا ہے - اس کی باتیں ہرگز کسی بافہم انسان کی باتیں نہیں لگتیں - لیکن کیا یہ حقیقت ہے کہ

دُعا اور شفاعت ہم معنیٰ ہیں۔

ح :- عزیزِ من! تُو تعجب کر رہا ہے، بات یہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں کہ دُعا اور شفاعت ہم معنیٰ ہیں۔ دُعا کا معنیٰ اعم ہے اور شفاعت کا معنیٰ اخص ہے۔ پیغمبروں، اماموں اور مومنوں کا بارگاہِ ایزدی میں شفاعت کرنا یہی طلبِ بخشش اور دُعا اور استغفار ہے حکم اور فرمان نہیں ہے۔ بعض سادہ لوح نوجوان کسروی کے ادعاہائے باطل اور لفظ "میانجیگری" پڑھ کر خیال کرنے لگتے ہیں کہ شفاعت ایک قسم کی فرمان دہی ہے جو عدالتِ خداوندی میں جسارت اور توہین ہے۔

ع :- ہمارے اعتقادات میں مسئلہ شفاعت کی طرح ایک اور ایسا مسئلہ ہے جس کا کسروی جیسے لوگ شدت سے انکار کرتے ہیں۔

ح :- وہ مسئلہ کونسا ہے ذرا وضاحت سے بتلائیے گا۔

ع :- ہم کہتے ہیں کہ اہل بیت علیہم السلام کی محبت خود گنہگاروں کی شفیع بن جاتی ہے اور معصومین کی مودت ہر خطا اور گناہ کو مٹا دیتی ہے جیسا کہ ایک شیعہ شاعر نے کہا ہے:-

حُبُّ الاکسیر لو ذرٌّ علی ۔۔۔ سیّئاتِ الخلقِ مادت حسنات

میرے مولاؑ کی محبت اکسیر ہے اگر تمام مخلوق کے گناہوں پر چھڑکی جائے تو وہ نیکیاں بن جائیں۔

ح:۔ بیٹا! اس عقیدے میں بھی کوئی نامانوس بات نہیں ہے اور عقل و نقل سے اس کا اثبات بہت آسان ہے۔ ہمارے پاس اس مسئلہ کے بارے میں شیعہ کتب میں سینکڑوں روایات موجود ہیں لیکن علمائے اہل سنت والجماعت کی کتب سے چند روایات اس بارے میں پیش کریں گے تاکہ منکرین کے سامنے ہمارا مدعا آسانی سے ثابت ہو جائے۔ احادیث کے نقل کرنے کے بعد ہم عقل کی روشنی میں بھی اس مسئلہ کا جائزہ لیں گے۔ یہ احادیث مسئلہ شفاعت کی بھی تائید کرتی ہیں۔

۱۔ حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا:۔ ہم اہل بیت کی مودت کو لازم پکڑو پس جو کوئی ہم سے دوستداری کی حالت میں خدا سے ملاقات کرے گا ہماری شفاعت کی وجہ سے داخلِ بہشت ہو گا خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے ہمارے حق کی معرفت کے بغیر کسی بندہ کو بھی اس کا عمل کوئی فائدہ نہ دے گا اس حدیث کو طبرانی نے اوسط میں، سیوطی نے کتاب احیاء المیت میں نبہانی نے اپنی اربعین میں، ابنِ حجر نے صواعقِ محرقہ میں اور دیگر

بہت سے علماء نے اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔

۲۔ حضور سرورِ کائناتؐ کا ایک اور فرمان ہے کہ "آلِ محمدؐ کی معرفت جہنم کی آگ سے نجات ہے۔ محبت آلِ محمدؐ پلصراط سے پار ہونیکا وسیلہ ہے۔ ولایت آلِ محمدؐ عذاب سے امان ہے۔

اس حدیث کو قاضی عیاض نے اپنی کتاب "الشفاء" کے صفحہ ۴۰ طبع آستانہ ۱۳۲۸ھ ہجری پر ذکر کیا ہے۔

۳۔ حضرت رسولِ اکرمؐ کا ایک اور ارشاد ہے "فرمایا کہ قیامت کے دن کوئی شخص قدم سے قدم نہیں اٹھائے گا۔ مگر یہ کہ اس سے چار چیزوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ اس کی عمر کے بارے میں سوال ہوگا کہ کس کام میں صرف کی۔ اس کے جسم کے بارے میں سوال ہوگا کہ کس طرح پردہ پوشی کی۔ اس کے مال کے بارے میں پرسش ہوگی کہ کہاں اور کس امر میں خرچ کیا اور ہم اہل بیت کی محبت کے بارے میں سوال ہوگا۔

اس حدیث کو طبرانی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ سیوطی نے یہ حدیث اپنی کتاب "احیاء المیت" میں اور نبہانی نے اپنی کتاب "اربعین" میں لکھی ہے۔ ان کے علاوہ بہت سے علمائے اہلسنت نے

اپنی تصنیفات میں اس کو ذکر کیا ہے۔

۴۔ جناب رسالتمآبؐ نے ایک اور حدیث میں فرمایا کہ "اگر کوئی شخص حجرِ اسود والے رکن اور مقامِ ابراہیمؑ کے درمیان کھڑے ہو کر نماز پڑھتا رہے اور روزے رکھتا رہے، اگر آلِ محمدؐ کا دشمن ہے تو جہنم میں جائیگا۔" اس حدیث کو طبرانی اور حاکم نے نقل کیا ہے۔ اسی طرح یہ روایت اربعین، نبہانی، احیاء المیت، سیوطی اور دیگر کئی کتب میں موجود ہے۔

۵۔ پانچویں حدیث اس سلسلہ میں یہ ہے کہ حضرت رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جان لو جو شخص محبتِ آلِ محمدؐ پہ مرے اس کی موت شہادت ہے۔ جان لو جو شخص محبتِ آلِ محمدؐ پر مرے وہ مغفور مرتا ہے۔ جان لو جو شخص محبتِ آلِ محمدؐ پر مرے وہ تائب مرتا ہے۔ جان لو جو شخص آلِ محمدؐ کی محبت پر مرے وہ مومن اور کامل الایمان مرتا ہے۔ آگاہ رہو جو شخص محبتِ آلِ محمدؐ پر مرتا ہے اسے ملک الموت بہشت کی خوشخبری دیتا ہے۔ ملک الموت کے بعد منکر نکیر اسے جنت کی خوشخبری سناتے ہیں۔ جان لو جو شخص محبتِ آلِ محمدؐ پر مرتا ہے اسے بہشت کی طرف اس طرح لے جایا جائے گا جیسے دُلہن دولہا کے گھر لائی جاتی ہے۔

جان لو جو شخص محبت آلِ محمدؐ میں مرتا ہے خداوند کریم اس کی قبر کو رحمت کے فرشتوں کی زیارت گاہ بنا دیتا ہے۔ آگاہ ہو جاؤ جو شخص آلِ محمدؐ کی دشمنی میں مرتا ہے قیامت کے دن اس حال میں لایا جائیگا کہ اسکی پیشانی پر آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا یہ شخص رحمتِ خدا سے مایوس ہے۔ الیٰ آخرہ۔

یہ حدیث حضور اکرمؐ کے اس خطبہ کا اقتباس ہے جو خطبہ صمآء کے نام سے معروف ہے۔ اس حدیث کو امام ثعلبی نے قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ کی تفسیر کرتے ہوئے اپنی کتاب تفسیر کبیر ثعلبی میں جریر بن عبداللہ البجلی سے روایت کیا ہے اور انہوں نے رسول پاکؐ سے روایت کیا ہے اس حدیث کو زمخشری نے اپنی تفسیر کشاف میں اسی آیہ مبارکہ کے ذیل میں مسلمات میں سے قرار دیا ہے۔

۶۔ رسولِ مقبولؐ کا ایک اور ارشاد گرامی ہے کہ ہمیں دوست نہیں رکھتا مگر مومن پرہیزگار اور ہمیں دشمن نہیں رکھتا مگر بدبخت منافق۔

یہ حدیث صواعق محرقہ کے باب ۱۱ میں ذکر کی گئی ہے۔ ہم نے یہ احادیث کتاب المراجعات صـ ۲۲، صـ ۲۳ اور صـ ۲۴ سے نقل کی ہیں۔

مراجعات کے مصنّف نے جامعہ ازہر کے قاضی سے خطاب کر کے کہا ہے کہ ہم شیعہ آلِ محمدؐ کو دوسروں پر مقدم جانتے ہیں اور ہمارے لئے اس کے لئے یہ دلیل ہی کافی ہے کہ خداوند کریم نے بھی انہیں دوسروں پر مقدم فرمایا ہے۔ حتّیٰ کہ خداوند کریم نے ان پر درود و صلوٰۃ بھیجنا تمام بندوں پر نماز واجب کے اندر ضروری قرار دیا ہے۔ پس آلِ محمدؐ پر صلوٰۃ بھیجے بغیر عالم میں کسی شخص کی نماز درست نہیں ہو سکتی چاہے وہ نماز گزار صحابی ہو یا تابعی، تبع تابعین میں سے ہو یا متاخرین میں سے بلکہ ہر وہ شخص جو فرض نماز کے ذریعہ خدا کی پرستش کرتا ہے اس پر واجب ہے کہ اس نماز میں محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود بھیج کر خدا کی عبادت کرے جیسا کہ وہ توحید و نبوّت کی گواہی سے اس کی عبادت کرتا ہے اور آلِ محمدؐ کا یہ مرتبہ البسام تبر ہے کہ ساری اُمت ان کے سامنے سرنگوں ہے اور دنیا کے اماموں کی آنکھیں ان کے سامنے جھکی ہوئی ہیں۔ امام شافعی کہتے ہیں :-

يَا اَهْلَ بَيْتِ رَسُوْلِ اللهِ حُبُّكُمْ
فَرْضٌ مِّنَ اللهِ فِي الْقُرْاٰنِ اَنْزَلَهٗ
كَفَاكُمْ مِنْ عَظِيْمِ الْفَضْلِ اَنَّكُمْ
مَنْ لَّمْ يُصَلِّ عَلَيْكُمْ لَا صَلٰوةَ لَهٗ

اَے اہلِ بیتِ رسولِ خداؐ ! تمہاری محبّت اللہ کی طرف سے فرض ہے۔ اسے اللہ تعالےٰ نے قرآن میں نازل فرمایا ہے۔ تمہاری عظیم فضیلت کے لئے صرف یہی بات کافی ہے کہ جو شخص تم پر درُود نہ بھیجے اسکی نماز ہی نہیں ہوتی۔

یہ دو شعر امام شافعیؒ کے ان مشہور مدحیہ اشعار میں سے ہیں جو اُنھوں نے اہل بیتِ رسولؐ کی شان میں ارشاد فرمائے۔ یہ اشعار لوگوں کے درمیان بہت معروف اور شائع ہیں اور اہل سُنّت والجماعت کے بہت سے ثقہ علماء نے ان دو شعروں کو مسلمات میں سے گردانا ہے۔

چنانچہ ابن حجر مکیؒ نے اپنی کتاب صواعق محرقہ کے ص۸۸ پر آیہ مبارکہ " ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی" کی تفسیر میں ان اشعار کو نقل فرمایا ہے۔

اسی طرح نبہانی نے الشرف المؤبد کے ص۹۹ پر اور امام ابوبکر بن شہاب الدین نے اپنی کتاب "رشفۃ الصادی" میں اور دیگر کئی علماء نے اپنی اپنی کتابوں میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

ع :۔ ان احادیث کا انکار نہیں کیا جا سکتا خصوصاً اس صورت میں کہ

یہ علماء اہل سُنّت والجماعت کے ہاں بکثرت مروی ہیں اور یہ بات ناممکن ہے کہ سُنّی علماء شیعہ کے اماموں کے فضائل یا مناقب کسی استحقاق اور صحیح مدرک کے بغیر تحریر کریں پس اہل بیت علیہم السلام کی مودت کا مسئلہ یوں تو حل ہو گیا لیکن یہ تبلایئے کہ ایک مخلوق کی محبّت و مودت کس طرح دخولِ جنّت کا موجب اور اس کی عداوت و دشمنی جہنّم میں داخل ہونے کا باعث ہو سکتی ہے۔ عقلی دلیل ارشاد فرمایئے گا۔

ح:۔ اوّلاً :۔ اہل بیتؑ اطہارؑ کی محبّت اور عداوت کا یہ ثمرہ اس وجہ سے ہے کہ اہل بیتؑ کا دین اسلام پر بڑا حق بنتا ہے۔ انہوں نے اپنی جان و مال سب کچھ آئینِ خداوندی پر قربان کر دیا۔ اور اغیار و اعداء کے ہاتھوں تباہی سے بچا لیا اور اس کی حفاظت کا بندوبست فرمایا۔ آئمہ طاہرینؑ میں سے ہر ایک اَعلم، کتابِ خدا اور سُنّت پیغمبرِ اسلام کا سب سے بڑا شناسا اور دینِ حق کے لئے سب سے زیادہ کوشش اور فدا کاری کرنے والا تھا۔ اللہ تعالےٰ دینِ حق کا بھیجنے والا ہے، پیغمبرؐ دینِ حق کو لانیوالے ہیں اور امامؑ دینِ حق کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ شیعوں کے نزدیک امامت اصولِ دین میں شمار ہوتی ہے اور وہ برحق ہیں جیسا کہ علماءِ اہلِ سُنّت کی کُتب میں مروی احادیث آپ نے ملاحظہ کر لیں اور امام شافعی کا اعتراف و اقرار بھی دیکھ لیا۔ قیامت کے دن جس طرح توحید و نبوّت کے بارے میں سوال ہوگا۔ اسی طرح علیؑ و اولادِ علیؑ کی ولایت کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا۔ چنانچہ آیۃ "وقفوهم انهم مسئولون" (ان کو روکو ابھی تو ان سے سوال ہونا ہے) کی تفسیر میں علمائے شیعہ اور کثیر زعمائے اہلِ سُنّت کا اتفاق ہے کہ یہ سوال علیؑ اور اولادِ علیؑ کی ولایت کے بارے میں ہوگا۔

کتاب المراجعات کے صفحہ ۳۰ پر اہلِ سُنّت کی متعدد کتب سے اس کا ثبوت دیا گیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ صواعق محرقہ میں اس آیۃ مبارکہ کی تفسیر میں وارد ہے۔ دیلمی نے بھی ابو سعید خدری سے روایت فرمایا کہ رسُولِ پاکؐ نے فرمایا کہ کہا جائے گا "ان کو ٹھہراؤ، ابھی ان سے ولایتِ علیؑ کے بارے میں سوال ہونا ہے۔ واحدی نے بھی کہا ہے کہ آیۂ شریفہ وقفوهم انهم مسئولون کی تفسیر میں مروی ہے کہ حضرت علیؑ اور اولادِ حضرت علیؑ کی ولایت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

واحدی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیبؐ کو حکم فرمایا کہ لوگوں کو سمجھا دیں کہ میں تم سے اپنی رسالت کی اُجرت کچھ نہیں مانگتا سوائے مودۃ قربیٰ کے۔ اور ظاہر ہے کہ صاحبان قربیٰ آلِ محمدؐ علیہم السّلام ہی ہیں۔ یعنی روزِ قیامت لوگوں سے سوال ہوگا کہ اہل بیتؑ کے ساتھ مودّت کا حق تم نے ادا کیا تھا یا نہیں۔ اور جس طرح رسُولِ خداؐ نے تمہیں وصیت کی تھی اس پر عمل کیا تھا یا ان کے حق کو ضائع کر دیا تھا اور وصیّت کو بیکار کر دیا تھا۔

صاحبِ مراجعات فرماتے ہیں کہ تبرے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ صواعق محرقہ والے نے گیارہویں باب میں اس آیت کو اہل بیتؑ کی شان میں نازل ہونیوالی آیات میں سے شمار کیا ہے۔

ثانیاً: حضرت رسُولِ خداؐ نے فرمایا کہ بہشت کے دروازہ پر لکھا ہُوا ہے لا الٰہ الّا اللّٰہ محمّد رسول اللّٰہ علی اخو رسول اللّٰہ۔

یہ حدیث طبرانی نے الاوسط میں اور خطیب نے کتاب المتفق والمتفرق میں روایت کی ہے۔ یہی روایت صاحب منتخب کنز العمال نے مسند امام احمد اور ابن عساکر سے نقل فرمائی ہے۔

کسروی کہتا ہے کہ شیعہ کچھ ہستیوں کو دین میں داخل کر دیتے ہیں اور ان کے نام اور محبت کو جزوِ دین بنا لیتے ہیں۔

اگر کسروی کا ایمان صحیح ہوتا تو علماء اہلِ تسنن سے مروی روایات کو ملاحظہ کرتا اور سمجھ لیتا کہ حق شیعیانِ علیؑ کے ساتھ ہے اور یہ عقیدہ صرف شیعہ جعفریہ کی طرف ہی منسوب نہ کرتا بلکہ اسے تمام مسلمانوں کے اعتقادات میں سے شمار کرتا۔ ہمارے مدعا اور مقصد کے اثبات کے لئے (قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ) یعنی اے حبیبؐ! لوگوں سے فرما دے کہ مودت و محبت اہل بیت اطہارؑ کے سوا میں تم سے اپنی رسالت اور تبلیغ دین میں زحمتوں کے برداشت کرنے کا کوئی اور اجر نہیں مانگتا۔" والی صرف ایک آیت ہی کافی ہے اور اس کے معنی میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ آیت محکماتِ قرآن میں سے ہے اور بلند آواز سے فرما رہی ہے کہ اے مسلمانو! مودۃ القربیٰ دین میں سے ہے اور تم سب پر فرض اور واجب ہے۔

ع:- دراصل کسروی کے شور و غوغا کی کثرت اور تکرار کی

شدّت کی وجہ سے کچھ لوگ مسئلہ شفاعت کو مشکل مسئلہ تصوّر کرنے لگے تھے۔ لیکن آپ نے اسے بڑی آسانی اور سہولت سے حل فرما دیا ہے۔ اب ارشاد فرمائیے کہ آیا تمام گناہ قابلِ بخشش ہیں یا ان میں فرق ہے۔ بعض قابلِ بخشش ہیں اور بعض نہیں۔

ح :۔ گناہوں کی چند اقسام ہیں۔ لیکن ہم تفصیل کو چھوڑتے ہوئے اتنا کہیں گے کہ گناہوں کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلی قسم وہ گناہ جو خود اپنے حق میں کئے ہوں کہ اصطلاح میں اسے حقوق اللہ سے تعبیر کرتے ہیں جیسے نماز نہ پڑھنا، روزہ نہ رکھنا، حج نہ کرنا، شراب پینا، خنزیر کا گوشت کھانا وغیرہ وغیرہ تمام ایسے گناہ جن کا ضرر و نقصان فقط گناہ کرنیوالے تک ہو۔ اور دوسری قسم وہ گناہ ہیں جن کا ضرر گناہ کرنے والے سے متجاوز ہو کر دوسرے تک پہنچتا ہے اسے حقوق الناس کہتے ہیں، جیسے چوری کرنا، ڈاکہ ڈالنا، گالی دینا، تہمت لگانا بدمعاشی کرنا، برسرِ عام گناہ کرنا، لوگوں کی عزت و ناموس پر ہاتھ ڈالنا، قتل کرنا، فتنہ و فساد اٹھانا وغیرہ وغیرہ۔ جن میں سے قتل دوسروں کی نسبت زیادہ بڑا گناہ اور فتنہ فساد قتل سے

بھی بڑا گناہ ہے۔

آیاتِ قرآنی اور ان کی تفسیر میں وارد احادیث و روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی قسم کے گناہ حقیقی توبہ و استغفار کے بعد قابلِ بخشش ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ "من یعمل سوءًا او یظلم نفسہ ثم یستغفر اللّٰہ یجد اللّٰہ غفورًا رحیما" یعنی جو شخص گناہ کرے یا اپنے نفس پر ستم کرے پھر اللہ سے گناہوں کی بخشش مانگے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بڑا بخشنے والا بہت رحم کرنے والا پائے گا۔ لیکن دوسری قسم کے گناہوں کے بارے میں ضروری ہے کہ توبہ و استغفار کے علاوہ مظلوم کو بھی راضی کرے۔ اگر مظلوم راضی نہ ہو گا تو عدلِ الٰہی کا تقاضا ہے کہ اسے اس گناہ کی سزا ملے۔

اس مسئلہ کی تفصیل یعنی گناہوں کی اقسام، شفاعت، ظالم کا مظلوم کو راضی کرنا یا خدا کی طرف سے مظلوم کو راضی کر لیا جانا یا شفاعت کرنے والے کی جانب سے مظلوم کو رضامند کر لینا وغیرہ دینی و اخلاقی کتب مطولہ میں مسطور ہے اور تقاضائے عقل و خرد کے عین مطابق ہے۔

عدالتِ الٰہی
اور
دُنیا کی عدالتیں

یہ بات بھی ذکر ہو ہی جائے جیسا کہ اس سے پہلے چند سوالات کے اعتراض میں اشارہ ہے کہ کسرؔدی خداوند کریم کے ارادہ وفیصلہ کو محکمہ انصاف کے قاضی کے فیصلہ کی طرح مقیّد سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ جس شخص کا جُرم عدالت کے سامنے ثابت ہو جائے اس شخص کی کوئی بھی سفارش و شفاعت نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس مجرم کو اس کے عمل کی پاداش ملنی ضروری ہوتی ہے۔ اسی طرح عدلِ خداوندی میں بھی کسی قسم کی شفاعت و سفارش اور دخل اندازی ناقابلِ قبول ہے۔

ہم جواب دیتے ہیں کہ دنیا کی عدالتوں میں مجرم کی توبہ و استغفار قابلِ قبول نہیں ہوتی اور نہ ہونی چاہیئے۔ اور ظلم و تعدّی کرنے والا شخص جتنی بھی آہ وزاری اور عاجزی کرے یا پچھتاوے کا اظہار کرے اسکا کوئی اثر نہیں ہوتا اور نہ ہونا چاہیئے۔

کیونکہ عدالت کے تمام افراد قانون کے مقابلے میں مجبور، تابع اور پابند ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی عدالت میں ایسی پابندی نہیں ہے بلکہ اللہ کی طرف سے یہ ندا دی جا رہی ہے کہ قل یا ایھا الذین اسرفوا علیٰ انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا۔ یعنی کہہ دو کہ اے مجرمو، گنہگارو، خطاکارو جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔ تحقیق اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے۔

اے کسروی! اب زبانِ انصاف کھول کر بتلاؤ کیا انسانی عدالت اور خداوندی عدالت کو ایکدوسرے پر قیاس کیا جا سکتا ہے؟

قاضی قانون کی اتباع کے سوا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ قاضی حقوقِ خداوندی، حقوقِ قوم و ملت اور حقوق مملکت کے بارے میں ظالم و مجرم کو معاف نہیں کر سکتا، لیکن خداوند کریم مہربان مالک و مختار ہے کہ مظلوم کو عوضانہ عطا فرما کر استغفار و توبہ کرنے والے کو بخش دے کیا اپنا حق کسی کو معاف کر دینا یا پشیمان مجرم کو سزا دینے کی بجائے مظلوم شخص کو دے دلا کر راضی کر لینا خلافِ عقل ہے؟

توبہ و مغفرت کا دروازہ جس کے بارے میں تمام آسمانی کتابوں نے

صراحت کے ساتھ اعلان کیا ہے کہ جو کھلا ہوا ہے مجھے سمجھ نہیں آتی کہ یہ بخیل کس ہاتھ اور جرأت سے اسے بند کرنا چاہتا ہے۔

خداوند کریم جس کی مغفرت انبیاء طاہرین نے اس طرح کروائی ہے کہ وہ بندوں پر اُن کے والدین سے بھی زیادہ مہربان ہے۔ کسروی ظالم اس مہربان رب کو ایک خونخوار کی صورت میں پیش کرنا چاہتا ہے۔

پس کسروی کے عقیدہ کے مطابق تو چاہیئے کہ کوئی گنہگار بھی اللہ کی بارگاہ میں نالہ و فریاد نہ کرے اور معافی کی اُمید نہ رکھے، ایسے عقیدے کو خداوند کریم تباہ و برباد فرمائے یہ ناپاک عقیدہ ہے اور ستمکار ضحاک کا قانون ہے، آئینِ خداوندی نہیں ہے۔

ایک اور حیرت کی بات یہ ہے کہ باقی تمام مذاہب کو جو بجائے خود شفاعت کو حق مانتے ہیں چھوڑ کر کسروی صرف شیعوں پر ہی کیوں برسا ہے؟ یہ دشمنی اور بغض کہاں سے اور کیوں ہے؟

اس دنیا میں رحلت کے بعد

پیغمبرؐ اور امامؑ کا متوجہ رہنا

ع:۔ مسئلہ شفاعت تو صاف اور واضح ہو گیا۔ اب اس کے بارے میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہا۔ لیکن کسروی یہاں ایک اور اعتراض کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ پیغمبرؐ اور امامؑ جو اس دنیا سے رحلت کر چکے ہیں، چاہے وہ قتل ہوئے ہوں یا عادی موت مرے ہوں، ان کا اس دنیا سے ہر قسم کا رابطہ منقطع ہو گیا۔ نہ وہ ہماری آواز سنتے ہیں اور نہ ہمارے مقصود و مدعا کو سمجھ سکتے ہیں۔ لہذا زیارت، سلام یا شفاعت و سفارش کی درخواست کرنا سب فضول، بیکار اور بے فائدہ ہے۔

ح:۔ بات یوں نہیں بلکہ اس کے برخلاف شیعہ کے نزدیک بلکہ عامتہ المسلمین کے نزدیک بھی تمام صالحین خصوصاً شہیدانِ راہِ خدا زندہ اور آزاد ہیں۔ ظاہری موت ان کے لئے اس

دنیا کی طرف توجّہ کرنے اور رابطے سے مانع نہیں ہو سکتی جیسا کہ رب العالمین اپنی مقدس کتاب میں ارشاد فرماتا ہے۔

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون - اور راہِ خداوندی میں قتل ہونیوالوں کو مردہ نہ گمان کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب سے رزق پاتے ہیں۔ (آل عمران)

اسی طرح اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون - یعنی راہِ خدا میں شہید ہونے والوں کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں اسکا شعور و ادراک نہیں ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کے اس فرمانِ مقدس کے مطابق وہ مردہ نہیں ہیں۔ پس ہمارے سلام کو سنتے اور جواب دیتے ہیں۔ شفاعت و سفارش بھی کرتے ہیں۔ اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

ع:۔ قرآن مجید میں ہو سکتا ہے ان کی جان اور روح کی بقاء کی طرف اشارہ ہو۔ ان کی توجہ، دیکھنے اور سننے کے ساتھ اس کا ربط نہ ہو۔

ح:۔ **بیٹے!** اگر آیۂ مبارکہ میں شہداء کے زندہ ہونے کا مطلب صرف ان کی روح کا زندہ و باقی رہنا ہے تو پھر اس آیت میں اسے صرف شہیدوں کے ساتھ ہی کیوں مختص کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ روحیں تو سب مُردوں کی زندہ و باقی رہتی ہیں ان کی روحیں بھی نہیں مرتیں۔ لہٰذا آیت مقدسہ میں زندگی کی شہیدوں کے ساتھ تخصیص ثابت کرتی ہے کہ گنہگاروں یا غیر مجاہدین کی روحیں مقید اور محبوس ہوتی ہیں اور ہر جگہ سے بے خبر رہتی ہیں۔ لیکن شہیدوں اور مجاہدوں کی مقدس روحیں آزاد ہوتی ہیں۔ دیکھتی ہیں، سنتی ہیں اور زندوں کے صفات و اوصاف ان میں باقی و قائم ہوتے ہیں بلکہ مختلف پردے درمیان سے ہٹ جانے کی وجہ سے ان کی زندگی دنیاوی زندگی سے بدرجہا قوی تر ہوتی ہے۔

ع:۔ کسروی کہتا ہے کہ جس چیز کو عقل قبول نہ کرے اس کا اعتقاد نہیں رکھنا چاہیئے اور یہ عقائد دائرۂ تعقل سے باہر ہیں۔

ح :۔ کسروی کو یہاں بھی اشتباہ ہوا ہے اور وہ یہ کہ کسروی عقل کے وظیفہ اور علم کے وظیفہ میں فرق نہیں کر سکا۔ ان عقائد کا اس کی عقل میں نہ آنا اس وجہ سے نہیں کہ خود اس کا ادراک نہیں کر سکتے بلکہ وہ انہیں اس لئے نہیں سمجھ سکا کہ اس کا علم کوتاہ اور معلومات ناقص ہیں ورنہ یہ مسئلہ انکار صانع یا اثباتِ شریک نہیں ہے کہ ممتنع ہو اور عقل اسے قبول نہ کرے۔

ع :۔ کسروی کہتا ہے کہ جہاں تک علوم کی رسائی ہے ہمیں فکر و غور کرنا چاہیئے اور اپنے عقائد کو علوم و معارف کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ لے کر چلنا چاہیئے اور بغیر علمی و فنی دلیل کے کسی چیز کا اعتقاد نہ کر لینا چاہیئے۔

ح :۔ اگر وہ یہ کہتا ہے تو پھر تو اسے اس کے مطابق ان مسائل کے بارے میں اتنا تعصب اور شدت نہ چاہیئے اور لوگوں کو احمق اور نادان نہ کہنا چاہیئے۔ بلکہ اسے تو یہ کہنا چاہیئے کہ چونکہ ابھی تک علوم حاضرہ کے ذریعہ یہ مسئلہ واضح و روشن نہیں ہوا۔ اس لئے اس کے انکار و اثبات میں سے کسی کا معتقد نہیں ہونا چاہیئے۔

وہ کہتا ہے کہ ان عقائد کے ماننے والوں کے پاس

علوم حاضرہ میں سے علمی و فنی کوئی دلیل نہیں ہے تو اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ ان کے انکار پر بھی کوئی علمی و فنی دلیل نہیں ہے محض انکار ہی ہے۔

معتقدین کے پاس تو سچے انبیاء کے فرامین اور آسمانی کتابوں کی آیات کے سے دلائل موجود ہیں اور ان عقائد کو انہوں نے دین کے نقطہ نظر سے مانا ہے۔ ان میں سے بعض اور صاحبانِ کرامت نے تو ان عقائد کا خود بھی مشاہدہ کیا ہے۔ جبکہ کسروی بیچارہ کے پاس جہالت اور بے علمی کے سوا انکار پر کوئی دلیل ہی نہیں ہے۔

حسنِ اتفاق سے عصرِ حاضر کے یورپی اور امریکی محققین نے علمی اور فنی ذرائع سے ان دو جہانوں کے درمیان رابطہ روح کی بقاء اور روح کے توجہ پر قادر ہونے کا انکشاف کیا اور اسے ثابت کر دیا ہے۔ بنا برایں زیارت، اسلام اور آئمہ طاہرین سے خطاب میں اشکال ہی کیا رہ جاتا ہے کہ کسروی اب بھی اپنے انکار پر قائم مرغے کی ایک ہی ٹانگ کی رٹ لگائے جا رہا ہے۔

ش :۔ (تھوڑا سا مسکرا کر بولتا ہے) کسروی کہتا ہے کہ ان

پروفیسروں کی تحقیقات و انکشافات سب دروغ بے فروغ اور جھوٹا تانا بانا ہے۔ ان میں کوئی صحت و صداقت نہیں ہے۔

ح :- یہ بے علم و بے دلیل رہنما ستارہ شناسوں اور میکروب شناسوں کی تحقیقات کی تکذیب کیوں نہیں کرتا۔ بلکہ ان سب کو تو درست مانتا ہے کہ انھوں نے فلاں ستارہ کا انکشاف کیا فلاں سیارہ دریافت کیا۔ آیا وہ جا کر ان کی دُور بینوں میں سے اپنی آنکھوں سے نو دریافت ستاروں اور سیّاروں کا نظارہ کر کے آیا ہے۔ کیا اس نے خورد بینوں کو اپنے ہاتھ میں لیکر خود مائیکروب شناسی کا مظاہرہ کیا ہے اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اس کی خود تحقیق کر لی ہے، ہرگز نہیں! پس ان دونوں قسم کے محققین اور انکے ان دو قسم کے انکشافات میں فرق کیا ہے کہ ایک تو وہ بے چون و چرا تسلیم کرتا ہے اور دوسری کو جھوٹ قرار دیتا ہے؟ جبکہ اس نے دونوں میں سے کسی کو خود ملاحظہ نہیں کیا۔

معلوم ہو گیا کہ کسروی کا کسی چیز کو قبول یا رد کرنا یا کسی شئے کی تصدیق یا اس کا انکار کرنا اس کی خواہشات نفسانی اور

ذاتی اغراض کی وجہ سے ہے۔

کیا اس دنیا سے رُوح کے رابطے کے انقطاع پر وہ کوئی قوی برہان یا کوئی واضح مدرک پیش کر سکتا ہے ہاتوا برھانکم ان کنتم صادقین - ورنہ قلم دروغ نویس کو توڑ دے - جھوٹ اور مکر کے مرکزِ دعوت کی بساط لپیٹ دے اور خدا کے سچے پیغمبروں کی تکذیب چھوڑ دے۔

عزیزِ من! امریکہ اور یورپ میں ان پروفیسروں کی ان تحقیقات اور انکشاف کے بارے میں سینکڑوں روزناموں اور ماہناموں میں مضامین لکھے جا رہے ہیں اور مغرب کے صفِ اوّل کے ہزاروں دانشوروں نے اس کام میں شرکت کی ہے۔ یہانتک کہ (لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات) کے دعوائے حق کی فنی ذرائع سے اُنہوں نے تصدیق کی ہے۔ اس مرحلہ پر کسروی کو گنگ ہوئے بغیر چارہ نہیں ہو گا۔

مطلب کی تکمیل کی خاطر ایک بات اور کہوں گا اور وہ یہ کہ جب کسروی خدا کے ان خاص بندوں کے بارے میں

بھی یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ دیکھ یا سُن نہیں سکتے اور اس کا کم حوصلہ سینہ حقائق کو قبول کرنے کی صلاحیّت سے عاری ہے اور ہمارے واضح اور روشن دلائل و براہین اس کے تیرہ و تاریک دماغ پر اثر نہیں کرتے تو کم از کم وہ درج ذیل سادہ سے عقیدہ کی تو تصدیق کرے گا۔ نماز زیارت کے بعد جو دعا ہم نے پیچھے ذکر کی ہے اس میں وارد ہے کہ زیارت کرنے والا کہتا ہے" اے اللہ! محمدؐ و آل محمدؐ پر درود بھیج اور میری جانب سے افضل و اکمل سلام و درود ان تک پہنچا اور ان کی جانب سے میرے سلام کا جواب مجھ تک پہنچا"۔ ہم خدائے مہربان سے تمنّا رکھتے ہیں کہ وہ ہمارے سلام و درود اور ہماری گذارشات کو ہمارے معظم پیشواؤں تک پہنچائے اور جب ہم اپنے ان پیشواؤں سے شفاعت کی درخواست کریں تو وہ اس کا اذن عطا کریں۔ اس مورد میں تو کسی بھی مُنکر کو دم مارنے کی مجال نہیں ہے۔ خصوصاً شفاعت کے بارے میں تو وہاں بھی ہمارے اس مؤقف کے ساتھ متفق ہو سکتے ہیں۔

میں ۱۳۲۳ شمسی میں چھ ہزار ایرانیوں کے ہمراہ کویت کے راستے سے بیت اللہ الحرام کے حج سے مشرف ہوا تھا، مجھے یاد ہے کہ مکّہ مکرمہ کے مجلّہ" ام القریٰ" کے اسی سال کے موسم حج کے شمارہ میں نجد کے

بادشاہ عبدالعزیز ابن سعود کی تقریر بھی تھی جو اُس نے حجاج کے لئے کی تھی۔ میں اسے پڑھتا ہوا اس مقام تک پہنچا جس کا مفہوم و ترجمہ یہ ہے کہ "ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہمارے پیغمبر اکرمؐ خدا کے حکم سے گنہگاروں کی شفاعت فرمائیں گے اور جو شخص اس بات کا اعتقاد نہ رکھے وہ کافر ہے"۔

اگر کسی دی اتنی بات کو بھی تسلیم کرلے اور موافقت کرے تو یہی بات مشاہد مقدسہ کی زیارت، سلام اور نبی اکرمؐ اور آئمہؑ سے بطریق مذکور خطاب کے اثبات کیلئے کافی ہوگی۔

ع:۔ معذرت چاہتا ہوں، چونکہ آپ نے اس دلیل میں حضرت رسولِ اکرمؐ کا اسمِ گرامی لیا ہے اس لئے عرض کرتا ہوں کہ سیّدالانبیاءؐ کا مقام آئمہ طاہرینؑ کے مقام سے بلند ہے۔ اور شفاعتِ پیغمبرؐ تو ثابت ہوگئی لیکن آپ امام کی شفاعت کہاں سے ثابت کرتے ہیں۔

ح:۔ بیٹا! قرآن مجید کی آیہ شریفہ (وانفسنا وانفسکم) کی نص اور اس آیت کی تفسیر میں شیعہ و سنّی مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آیت میں انفسنا سے مراد علیؑ ابن ابی طالب ہیں اور علیؑ ابن ابی طالب پر نفسِ پیغمبر کا اطلاق ہوا ہے۔ یہ ثابت ہوتا ہے کہ علیؑ جملہ امور میں (ماسوائے نبوت کے) مانندِ رسولِ اکرمؐ کے ہیں۔

دوسرے یہی آیت حضرت علیؑ، حضرت فاطمہ زہراؑ، حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ علیہم السّلام کے وسیلہ ہونے کو خوب واضح و روشن کر رہی ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

(قل تعالوا ندع ابنائنا و ابنائکم ونسائنا ونسائکم وانفسنا وانفسکم)۔

یعنی اے میرے حبیب! کہہ دو ان نجران کے عیسائیوں سے کہ آؤ ہم اپنے بیٹے بلاتے ہیں تم اپنے بیٹے بلاؤ ۔ ہم اپنی مستورات کو بلاتے ہیں تم اپنی مستورات کو بلاؤ ہم اپنے نفسوں کو بلاتے ہیں اور تم اپنے نفسوں کو۔ پھر مباہلہ کریں اور جھوٹے پر اللہ کی لعنت قرار دیں ۔

تمام مورخین و رواۃِ اسلام کا اتفاق ہے کہ رسولِ اکرمؐ مباہلہ کے لئے عیسائیوں کے مقابلے میں اپنے ساتھ علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ علیہم السلام کو لے کر گئے تھے اور ان پانچوں کے علاوہ مباہلہ کیلئے چھٹا کوئی نہیں گیا تھا۔

پس "انفسنا" سے مراد حضرت علیؑ، "نسائنا" سے مراد حضرت فاطمہؑ اور "ابنائنا" سے مراد حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ ہوئے ۔

حضرت رسولِ خداؐ نے خدا کے حکم سے نجرانی عیسائیوں کے

خلاف مباہلہ کے لئے انہی چار افراد اہلبیتؑ کو پیش کیا۔ ان مقدس ہستیوں کو دیکھتے ہی عیسائیوں کو غضب خداوندی کے آثار نظر آنے لگے اور ان پنجتن پاکؑ کے خلاف مقابلہ کرنے سے پشیمان ہوئے اور صلح کرلی اور جزیہ دینا قبول کرلیا۔

اس آیت سے خداوند کریم کی بارگاہ میں اہل بیت اطہار کی وساطت اور مناجات کی تاثیر کا ثبوت ملتا ہے کہ ان کے لعنت کرنے کے وسیلے سے نصاریٰ پر خداوند کریم غضب نازل فرما دیتا، اب ملاحظہ کرو۔ بارگاہِ ربّ کریم سے دعا کرنے اور طلب رحمت کی تاثیر خدا کی درگاہ سے طلب غضب و نفرین سے یقیناً زیادہ ہے اور خداوند کریم اپنی رحمت کے بھیجنے میں اہل بیت اطہارؑ کے واسطہ و شفیع بننے کو ضرور قبول فرمائے گا اور فرماتا ہے۔

جب پنج تن پاکؑ کے لئے یہ امر ثابت ہو گیا تو جان لو کہ چہاردہ معصومینؑ کے لئے بھی ثابت ہو گیا۔ کیونکہ اہلبیتِ عصمتؑ کے فرامین کے مطابق ان امور میں جملہ آئمہ طاہرینؑ کا مقام یکساں ہے اور ان کے درمیان کوئی فرق و تفاوت نہیں ہے۔

عتباتِ عالیہ کی

زیارت کی حکمت اور اسرار

ع :- فی الواقع اس بارے میں کسی قسم کا کوئی اور اعتراض باقی نہیں رہا۔ لیکن اگر آپ اجازت دیں تو ایک سوال اور کروں شفاعت اور سلام جس طرح آپ نے ذکر فرماتے ہیں یہ تو ہر جگہ سے ہو سکتے ہیں۔ اور شیعہ اپنے شہروں بلکہ اپنے گھروں میں بھی یہ سلام کہہ سکتے ہیں اور توسل کر سکتے ہیں تو پھر یہ شور و شغب ، سفر کی بلیشمار زحمتوں اور مشقتوں کو برداشت اور کثیر سرمایہ کو صرف کر کے مشاہد مقدسہ پر حاضر ہونے کا کیا مقصد ہے ؟

ح :- زیارت کے اسرار اور اس کی حکمتیں بہت ہیں چند ایک ملاحظہ فرمائیں

اوّل :- اہلبیت اطہارؑ کے دینی مجاہدات اور قربانیوں کی جو راہ رضائے حق میں آنحضرتؐ نے سرانجام دی ہیں قدردانی کیلئے ان کے مراقد مقدسہ پر حاضر ہونا یقیناً لائق قدر ہے ۔

دوم :- ان بزرگوں کے نام و نشان کو اپنے قلوب میں زندہ رکھنے اور دعوتِ اسلامی کے مراکز اور راہِ خدا میں سرفروشانہ قربانیوں کی پختگی اور مضبوطی کے لئے ان مقدس ہستیوں کے مزارات پر جانا یقیناً مستحسن ہے۔

سوم :- عقائد مقدسہ کی نشر و اشاعت اور اخلاق فاضلہ کی ترویج و اعلان کے لئے کہ اسی غرض کے لئے ان بزرگوں کا جہاد تھا، ان مقدس بزرگوں کی زیارت انسب ہے۔

چہارم :- محبت آلِ محمدؐ جو درحقیقت گوہرِ اسلام ہے اس کی حفاظت و بقا کے لئے بھی اہل بیتؑ اطہار کے مشاہد مقدسہ پر حاضر ہونا ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ جس طرح حج بیت اللہ کا اسلام کی ترویج اور احکام توحید کی نشر و اشاعت میں کافی حصّہ ہے اسی طرح محمدؐ و آلِ محمدؐ کے عتباتِ عالیہ کی زیارت بھی قوانین اسلام کی بقاء اور مودت آلِ محمدؐ کی اشاعت کے لئے کافی اثر رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ کئی مزید روحانی اسرار و حکم زیارت مشاہد مشرفہ میں پائے جاتے ہیں جو احادیث معصومینؑ سے معلوم کئے جا سکتے ہیں۔

ع :- کسروی لکھتا ہے نہ بہ حاجی ، کربلائی اور مشہدی حضرات (جو کربلا معلی

اور مشہد مقدس کی زیارت سے مشرف ہوتے ہوں) ناداروں اور مسکینوں کی مدد نہیں کرتے بلکہ ان کے حقوق مالیہ ادا نہیں کرتے اور ان بے فائدہ کاموں (حج و زیارت) پر خرچ کر دیتے ہیں۔

ح بہ کسروی جھوٹ کہتا ہے اور بہتان لگاتا ہے۔ بلکہ حجاج کرام اور زائرین عظام تو ہر مرحلے پر فقراء و مساکین کی مدد کرتے آئے ہیں اور کر رہے ہیں۔ قحط سالیوں کے دوران انہی لوگوں نے کروڑوں روپے فقراء و مساکین کے لئے چندہ میں دیئے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ کسروی جیسے لوگ اس چندہ کا ستّر فیصد سے زائد حصّہ ہڑپ کر گئے اور فقراء تک بہت کم رقم پہنچ سکی۔

امریکہ روس اور برطانیہ کے ناجائز قبضہ کے بعد قحط سالی میں انہی حجاج اور زائرین کرام نے کمرِ ہمت باندھی اور ایران کی آبرو کی حفاظت کی۔ بہت سوں نے گھر کا سامان فروخت کر ڈالا اور راہِ رضائے حق میں بے نوا لوگوں کو سہارا دیا۔ لیکن اس بار انہوں نے بے دین قسم کے لوگوں پر بھروسہ نہ کیا اور اخراجات کا نظام اپنے ہاتھ میں رکھا۔ انہی کربلائی اور مشہدی زائروں کی دریا دلی اور حسنِ انتظام سے اس قحط میں ملک کا ایک شخص بھی بھوکا نہ رہا اور بھوک سے کسی غریب کی موت واقع نہ ہوئی (مترجم کہتا ہے کہ حالیہ

انقلابِ ایران بھی انہی زائرین مشاہدِ مقدسہ اور حجاج کرام کی عالی ہمتی سے کامیاب ہُوا۔ جنہوں نے زعیم ملّت آیتہ اللہ خمینی کو عالمِ غربت میں بھی کسی شہنشاہ سے کم پُر وقار نہیں ہونے دیا تھا)۔

ع :- یہ سب درست ہے، تصدیق کے سوا چارہ نہیں۔ لیکن آپ نے مشاہدِ مقدسہ کی زیارات کے اسرار کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ دینی و روحانی ترقی کا باعث ہیں اسے ذرا مزید واضح فرمائیں۔

ح :- حج مکہ مکرمہ کے اثرات آپ دیکھ سکتے ہیں کہ حجاج کرام کی آمد و رفت سے افریقہ کے اکثر ملکوں میں اسلام کی نشر و اشاعت ہوئی ہے۔

شمالی افریقہ کے قدیمی مسلمان لوگ جب حج کے لئے افریقہ کے مشرکین کے علاقہ سے گذرتے تھے تو آتے جاتے ان کی تبلیغ سے سیاہ فام لوگ اکثر متاثر ہو کر اسلام قبول کرتے۔ یورپ و امریکہ و مشرقِ بعید کے ملکوں میں بھی اسلام کی اشاعت میں حجاج کرام کا نافی ہاتھ رہا ہے۔

اسی طرح مشاہدِ مقدسہ کے زائرین عظام کا بھی تبلیغ دینِ متین میں بہت بڑا حصہ ہے۔ زائرین کرام دُور دراز کے علاقہ سے جب آتے اور غیر مومن لوگوں کے علاقہ سے گذرتے تو ان کی تبلیغ ان میں اپنا اثر کرتی۔ چنانچہ کردستان، سوریا،

فلسطین وغیرہ کے کئی علاقوں میں آل محمدؐ کی معرفت کی نشر و اشاعت کا باعث زوارِ کربلا و نجف بنے ہیں اور متعصب مخالفین کے تعصب میں بھی ان کی آمد و رفت کی وجہ سے کمی ہوئی ہے۔

ع:- کسروی اپنی کتاب شیعیگری میں لکھتا ہے کہ صفوی خاندان کے بادشاہوں نے لوگوں کو شیعہ مذہب اختیار کرنے پر مجبور کیا تھا۔

ح:- کسروی ہمیشہ خلافِ حقیقت قلم فرسائی کرتا رہا اور کر رہا ہے اور اپنے کذب و دروغِ بے فروغ کے ذریعہ چاہتا ہے کہ شیعہ مذہب کی روحانی و معنوی طاقت و حقیقت سے انکار کر دے۔

ہم شیعہ مذہب کی ترویج میں سلاطین صفویہ کی خدمات کا اعتراف کرتے ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ مذہب کے سلسلہ میں ان بادشاہان صفوی نے جبر و تشدد سے کام نہیں لیا۔ تمام مذاہب کے لوگ چاہے مسلمان ہوں یا غیر مسلم ان کی حکومت میں کامل اطمینان اور امن و آرام سے زندگی بسر کرتے رہے ہیں بات صرف اتنی ہے کہ پہلی حکومتوں میں شیعوں کو پامال کیا جاتا رہا اور ان کے حقوق سلب کئے گئے۔ صفوی خاندان نے ان پر سے پابندی کو آکر ہٹایا اور انہیں تحریر و تقریر کی آزادی دی۔ صفوی

خاندان نے مشاہد مقدسہ کی تعمیر و ترقی میں دلچسپی لی۔ یہ صحیح النسب سادات تھے اور اپنے اجداد طاہرین کے مقام و منزلت سے آشنا تھے۔

شاہ عباس صفوی کبیر اصفہان سے مشہد تک پا پیادہ چل کر امام رضا علیہ السلام کی زیارت کے لئے آیا تھا۔ شیعہ خطباء و علماء اور مصنفین کو جب مذہبی علوم کی نشر و اشاعت کی آزادی ملی تو انہوں نے حقائق مذہبیہ کو عوام تک پہنچایا اور نہایت سرعت سے مذہب شیعہ پورے ایران پر چھا گیا۔

کسروی کہتا ہے کہ ایرانی صفویوں کے جبر سے شیعہ ہوئے۔ میں پوچھتا ہوں کہ ہندوستان میں کن بادشاہوں کے زور سے لوگ شیعہ جعفری ہوئے۔ بڑے بڑے راجے اور امراء اور باہمت شجاع کس شہنشاہ کی تبلیغ سے شیعہ مذہب اختیار کرنے پر مجبور ہوئے۔ عزاداری امام مظلوم علیہ السلام محرم الحرام اور دیگر ایام میں کس بادشاہ کے زور سے قائم ہوئی ہے اور ان کے شہروں قصبوں اور دیہات کی گلیوں میں، میدانوں اور جنگلوں میں حسین حسین کی آواز کس بادشاہ کے جبر کی مرہون منت ہے۔

عراق میں جو متعصب اہل تسنن ترکوں کے ظلم و ستم برداشت

کرتا رہا ہے ۔ وہاں کی پینسٹھ فیصد آبادی کس کے جبر سے شیعہ ہو گئی ۔

کسروی کو اشتباہ ہے کسروی غافل ہے اسے پتہ نہیں کہ زائرین کربلا اور مجالسِ حسینؑ کی برکت بادشاہوں کی تلواروں سے زیادہ طاقتور ہے اور مذہبِ شیعہ کی روحانی طاقت کی ہر مخالف و دشمن سے حفاظت کا سبب ہے ۔

ع :۔ آپ نے جو کچھ ارشاد فرمایا بجا ہے اور بے اشکال اور معلوم ہو گیا کہ کسروی کے اعتراضات غیر سنجیدہ اور سطحی تھے اور شیعہ کے قول کی سچائی اور عمل کی درستی واضح و روشن ہو گئی ۔ لیکن اس مسئلہ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے :۔

حرمِ مقدس کے در و دیوار کو چومنے اور رسولِ اکرم اور آئمہ طاہرین کے ضریحِ مقدس اور قبر پر سر اور منہ کے ملنے کا کیا مقصد ہے ؟ تہذیبِ نو کے لوگ اعتراض کرتے ہیں ۔

ح :۔ یہ مسئلہ صاحبانِ عشق و محبّت سے پوچھنا چاہیئے اور پھر دیکھنا چاہیئے کہ وہ کیسے دندان شکن جواب دیتے ہیں ۔ ایک عرب شاعر کہتا ہے :۔

أَمُرُّ عَلَى الدِّيَارِ دِيَارِ لَيْلَى
أُقَبِّلُ ذَا الْجِدَارَ وَ ذَا الْجِدَارَا

فَمَا حُبُّ الدِّيَارِ شَغَفْنَ قَلْبِی
وَلٰكِنْ حُبُّ مَنْ سَكَنَ الدِّيَارَا

یعنی لیلیٰ کے گھروں کے پاس سے گزرتا ہوں۔ کبھی اس دیوار کو چُومتا ہُوں کبھی اس کو۔ میرے دل کو ان گھروں کی محبت نے نہیں کھینچ لیا بلکہ اُس کے عشق نے کھینچا جو ان میں رہنے والی تھی۔

عزیزِ من! یہ ایک واضح اور سادہ سی بات ہے۔ اس میں کچھ اشکال نہیں ہو سکتا۔ وہ عاشق جس کا ہاتھ محبُوب کے دامن تک نہ پہنچ سکے وہ محبُوب کے دَر و دیوار کو ہی چُومے گا۔ یہ عشق و محبت کا قانون ہے کسی کو اس پر اعتراض کی گنجائش نہیں ہے۔ شیعہ حبیبِ خداؐ اور ان کی اہلِ بیت اطہارؑ سے عشق کی حد تک محبّت و مودّت رکھتے ہیں اور ان کی محبّت کو فرض و واجب جانتے ہیں اور جاننا بھی چاہیئے۔ درحقیقت شیعوں میں یہ مذہبی محبّت اور دینی پیار ایک فطری موہبتِ الٰہی ہے جس کی وجہ سے مظاہر ولایت خداوندی علیؑ و اولادِ علیؑ کے سامنے عاشق شوریدہ کی طرح بے اختیار ہو کر رہ جاتے ہیں۔ سرکار محمدؐ و آلِ محمدؐ کے ہیں حیات شیعہ ان مبارک ہاتھوں کو جنہیں اللہ تعالےٰ نے اپنے ہاتھ قرار دیا ہے (یدُ اللّٰہ فوقَ ایدیھم) چُومتے تھے اور ان کے دامنِ پاک کو اپنی آنکھوں اور منہ پر ملا کرتے تھے

اوران کی دنیا سے رحلت وغیبت کے بعد شیعہ اپنے سر و منہ کو ان کی ضریح و مرقد مطہر سے رگڑتے ہیں۔ کسی کو اس پر اعتراض کا کیا حق ہے۔ یہ امر ہر مذہب و ملت میں موجود ہے اور سوائے چند دہریوں کے جن کا کوئی مذہب نہیں اس پر کوئی معترض نہیں ہوتا۔ مسلمان قرآن مجید کو بوسہ دیتے ہیں اور سر پر رکھتے ہیں۔ عیسائی صلیب کو چومتے ہیں۔

درحقیقت یہ بات اختیاری ہے بھی نہیں اور شریعت مقدسہ کے خلاف بھی نہیں ہے اور عقل بھی یہاں عشق کے فیصلہ کو تسلیم کرے گی۔

لطیفہ:۔ مجھے یاد ہے کہ مسجد نبوی میں ایک دن نماز ظہر کے لیے صفیں بندھ چکی تھیں کہ حرم مقدس نبوی کا ایک پہریدار اپنے ہاتھ میں کبوتر کا بچہ لیے ہوئے تھا اور چاہتا تھا کہ اسے اس کے گھونسلے تک پہنچائے۔ ایک شامی عرب آگے بڑھا اور اس کے سر و چشم کو چوم لیا اب کیا تھا دوسرے لوگ بھی ٹوٹ پڑے اور اس بے زبان کے چشم و سر اور بال و پر کو چومنا اور اپنے منہ اور سر پر ملنا شروع کر دیا۔ نہ پہریدار نے انہیں اس بات سے روکا اور نہ مسجد نبوی کے دوسرے ملازمین نے منع کیا۔ کسی نے بھی کبوتر کے چومنے کو کفر و شرک نہ کہا بلکہ سب مسکرا رہے تھے اور خوش تھے۔ مجھ سے نہ رہا گیا میں نے پہریدار پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ تم مسلمانوں کو حضور سرورکائنات کے روضے کی جالی چومنے سے روکتے ہو

اور اسے شرک کہتے ہو اور اب ایک جانور کو مسلمانوں سے بوسے دلوا رہے ہو اور کوئی اشکال نہیں کرتے - بولا یہ حرم کا کبوتر ہے اور مسجد نبوی کی مجاورت کی وجہ سے اسے چوم رہے ہیں، اس میں ضرر کیا ہے - میں نے کہا ہم مسلمان بھی روضے کی جالی اور ضریح پیغمبرؐ ہی کو چومتے ہیں جو حضور اکرمؐ کے جسدِ اطہر کی مجاورت میں ہے - پس اس میں کیا خرابی ہے تم انہیں کافر اور مشرک کے نام کیوں دیتے ہو - پھر بدّاز میری بات سُن کر لاجواب ہو گیا اور سر جھکا کر اپنے راہ لگا -

ہمارے ان سارے بیانات سے واضح و روشن ہو گیا کہ شیعہ موحّد ہیں اور صرف خدا پرست ہیں - ان کے عقائد و اعمال میں ذرّہ برابر شرک اور مخلوق پرستی کا وجود نہیں ہے - جو لوگ شیعہ پر اعتراض کرتے ہیں وہ یا تو جہالت اور نادانی کی وجہ سے کرتے ہیں یا بغض اور دشمنی کی وجہ سے اور یا مسلکِ شیعہ سے ناواقفی کی وجہ سے - کسروی کا مذہب شیعہ پر حملہ ان تینوں وجوہ سے ہے اور وہ اپنے مقصد میں ناکامی کی وجہ سے زیادہ جذباتی اور اعصابی ہو گیا ہے -

مبحث نبوّت

ع :۔ یقیناً عالم کی خلقت خدا کی مرضی و خواہش کے بغیر نہیں تھی
ہم چونکہ اس کی مخلوق ہیں۔ لہٰذا اس کی مرضی و خواہش کے بغیر
کوئی کام نہیں کرتے ہیں۔ ہم اپنی چھوٹی سے چھوٹی صنعت سے
نتیجہ چاہتے ہیں۔ بلکہ ہر حرکت کرنے والی چیز اپنی حرکت سے
یک ارادہ رکھتی ہے اور یقیناً خالق اکبر کا بھی اس ممتاز مخلوق کے
خلق کرنے کا کوئی اہم مقصد ہے۔

ح :۔ جب کہ آپ نے صحیح بات سمجھ لی ہے اب اس نقطہ کی طرف
توجہ کرو کہ انسان خود بخود اپنے وظیفہ و فریضہ سے آگاہ و آشنا
نہیں ہو سکتا ہے اور نہ ہی خدا کی مرضی سے مطلع ہو سکتا ہے صرف
اس وقت کہ جب خدا اس کو تعلیم دے یا اس کو آگاہ کرے۔

ع :۔ انسان آگاہ و مطلع کیوں نہیں ہو سکتا؟ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان
کھیتی باڑی کرتا ہے، صنعت و حرفت کرتا ہے، وسائل کو
اپنے لئے مہیا کرتا ہے اور ہر روز اپنی مختلف آسائش و آرام
کیلئے بہت بڑے اقدام کرتا ہے۔

دریا نوردی، ہوا پیمائی، بجلی و ریڈیو کے مراکز اور ہزاروں حیرت انگیز صنعتیں اور ایجادیں انسان کی محنت کا نتیجہ ہیں - اس نے تمام چیزوں کو اپنی عقل و فکر کے ساتھ اپنے استفادہ کے لئے اختراع کیا ہے - حتیٰ کہ اس زمانے میں کھانے، پینے، سونے، چلنے، سانس لینے اور تعمیرات کرنے کے لئے صحیح قواعد کی بنیاد رکھی ہے اور علم طب و جراحت و ہندسہ و ترکیبِ جواہر اور سونے اور چاندی کے مشکل مقامات کی راہوں کو طے کیا ہے - زمین کو چھوڑ کر آسمان تک ہاتھ پھیلا رہا ہے - اس کے علاوہ اور وظیفۂ انسانیت کیا ہے؟

ح:- عزیزم! جو کچھ بھی تم نے کہا ہے یہ سرشت و طبع کے اثر کے وجود سے ہے اور وہ ہر چیز جو موجود ہے وہ اپنی راحت و آسائش کے لئے ہر ممکن کوشش کرتی ہے - انسان کی جن صنعتوں اور کاموں کا تم نے شمار کیا ہے وہ تمام کے تمام کھانے، سونے آرام کرنے اور اپنے خزانوں کو سونے و چاندی سے پُر کرنے کے لئے بنایا ہے - کیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ اُنہوں نے ان نفیس چیزوں کی ایجاد کے ضمن میں قیمتی توپیں، بندوقیں اور ایٹم بم وغیرہ بھی دنیا کو تباہ و برباد کرنے کے لئے اختراع و ایجاد کئے ہیں

اور ان کے سامنے اپنی شخصیت کے علاوہ کوئی دوسری چیز ان کی نظر میں نہیں ہے اور اس فانی دنیا میں سوائے اپنی زندگی کی حفاظت کے کسی دوسری چیز کو نہیں جانتے ہیں۔ حالانکہ ہر قسم کے حیوانات اور وہ ہر ذی رُوح جو ذرّہ برابر بھی حِس رکھتا ہے وہ اپنے فوائد کے لئے جدّوجہد کرتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ انسان کی تدابیر و نظم و ضبط اور وسائل ان حیوانات سے قوی تر ہیں۔ درحقیقت یہ تمام کوشش اپنی ذات سے محبّت اور اس کی بقاء کے لئے ہے۔ وہ کام جن کو چیونٹیاں انجام دیتی ہیں یعنی ایّام موسم گرما اور فصل خریف میں اپنی غذا فراہم کر کے اس کو موسم سرما و بہار کے لئے ذخیرہ کرنا۔ ان کو انسان کے کاموں کے ساتھ قیاس کریں۔ ہم ان بشری کاموں کا دائرۂ وسعت، مختلف وسائل اور تدبیرات کے علاوہ کوئی فرق نہیں پاتے ہیں کہ وہ بشر کو ایک معنوی و حقیقی امتیاز عطا کرے۔ یہ تمام اختراعات و ایجادات و تقدّمِ علم اور صنعت اپنے مقام پر ہیں لیکن بشر ان کاموں سے صحیح نتائج حاصل نہیں کرتا اور اپنے حقیقی مقصد تک نہیں پہنچتا۔

ع:۔ بشر کے کاموں کا نتیجہ و ثمرہ کیا ہونا چاہیئے؟ معذرت چاہتا ہوں میں آپ کے مقصد کی طرف متوجّہ نہیں ہوں۔

ح :- ہم فرض کرتے ہیں کہ ایک کپڑا بنانے والا کارخانہ ہے - لوگ ہر شب و روز اس کی مشینوں اور پہیوں کو تیل دیں اور ہر وقت اس کی گرد و غبار کو صاف کریں اور ان کو ہر وقت صاف و شفاف رکھیں اور سالہا سال تک ایسا ہی کرتے رہیں اور اس کارخانہ پہ کوئی بھی کام نہ ہو اور اس پر کپڑا نہ بنا جائے اور لوگ اس سے استفادہ نہ کریں تو کیا تم یہ کہہ سکتے ہو کہ اس کارخانہ نے اپنے وظیفہ و فریضہ کو انجام دیا ہے؟

ع :- نہیں کہہ سکتے، یقیناً اس نے اپنے کام کو انجام نہیں دیا ہے مگر یہ کہ اس سے ہر روز اتنا کپڑا تیار کیا جائے کہ انسان اس سے استفادہ کرے اور اس صنعت کے وجود سے مقصد صانع حاصل ہو جائے -

ح :- ہاں! ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ انسان کا کھانے، پینے، سونے، سیر و سیاحت کرنا اور پاکیزگی و صحت کے وسائل کو مہیا کرنا، سوائے اس مشین کی روغن کاری اور اس کو صاف و شفاف رکھنے کے اور کوئی چیز نہیں ہے - ہم نے کہا ہے کہ اس کارخانہ کا مقصد کپڑا بنانا ہے - اسی طرح انسان کے وجود سے بھی دوسرے حقائق اور فرائض مطلوب ہیں -

ع :- وہ حقائق اور فرائض کیا ہیں؟

ح :- امور کا جاننا اور عمل کرنا وہ کام ہیں جو اس دنیا کی اصلاح و آسائش اور آخرت کی سعادت و خوش بختی کا وسیلہ ہیں۔ انسان چونکہ خدا کی مشین ہے اس کو خدا کی مرضی و خواہش کے مطابق چلنا چاہیئے خدا کی رضامندی میں کام کرے۔ اس کی رضا کے سایہ میں دو جہانوں میں خوش و خرّم زندگی بسر کرے، ورنہ یہ تمام آسائش و آرام کے وسائل اس کے اپنے لئے ہوں گے خدا کیلئے نہیں ہوں گے۔

ع :- انسان کس طرح خدا کیلئے کام کرے اور ان کاموں کی کہاں سے تعلیم حاصل کرے؟

ح :- یہاں پر ہم کہیں گے کہ خداوند عالم کو چاہیئے کہ وہ خود ان کو تعلیم دے اور اپنی مرضی و خواہش سے مطلع کرے۔ مشین بذاتِ خود بنانے والے کی مرضی کے مطابق کام نہیں کر سکتی بلکہ اس کے لئے ایک مہتمم کا ہونا ضروری ہے تاکہ وہ اس کا اہتمام کرے۔

ع :- اسی بنا پر انبیاء اور ان کی تعلیمات ہر انسان کی زندگی کے لئے ضروری ہونے چاہئیں۔

ح :- ہاں، عزیزِ من! خداوند عالم ہمیں اپنی مرضی و خواہش سے باخبر رکھے اور وظائفِ معنوی و حقیقی کی ہمیں تعلیم فرمائے اور دنیاد

آخرت کے وسائل سعادت کو ہم پر ظاہر کرے۔ ضروری ہے کہ وہ ایک انسان سے ممتاز شخصیّت کو منتخب کرتے ہوئے اس کو تمام نکاتِ ہستی و دقائق حیات اور دانش ہائے جسمانی و روحانی پر مطلع کرے اور ہدایت و تربیّتِ بشر کے لئے اس بزرگ رہنما کا انتخاب کرے۔ ہم اس فرستادہ کامل اور بشر پرور کو نبی و پیغمبر اور اس قانونِ آسمانی اور وظیفۂ انسانی کو دین اور آئین کا نام دیتے ہیں۔ اسی بنا پر صاحبانِ عقل پیغمبرؐ کے وجود مبارک کو ہر زمانے میں واجب و ضروری سمجھتے ہیں۔ تاکہ وہ لوگوں کو خدا کی تعلیم واحکام سے آشنا کرے۔

ع :- خداوند عالم ہر زمانے میں ایک نبی بھیجتا ہے اور ایک جدید کتاب ارسال فرماتا ہے، اس کی کیا حکمت ہے؟ حضرت آدمؑ ابوالبشر کہ جو خدا کی طرف سے مبعوث کیا گیا اور اپنی اولاد کے لئے احکام آسمانی سے پُر ایک صحیفہ بھی لایا، وہ آخیر زمانے تک کافی تھا لیکن اس تجدید اور بے شمار پیغمبروں کے ارسال فرمانے کا کیا فلسفہ ہے؟

ح :- وہ وظائف جو انبیاء لوگوں کے لئے خدا کی طرف سے لاتے ہیں اس کی دو قسمیں ہیں :-

اوّل :- اصل عقائد ہیں کہ جن کو اہلِ شرع کی زبان میں اصولِ دین کہتے ہیں۔

دوم :- وہ احکام جو اعمال سے متعلق ہیں ان کو فروعِ دین کہتے ہیں۔

امّا فروعِ دین :- کہ وہ علوم و اعمالِ شخصی و نوعی و وظائف فردی و اجتماعی اور معاملاتِ مادی و رُوحانی کو شامل ہے۔ یہ اس لئے کہ ہر زمانے میں انسان کی ایک خصوصی استعداد اور قابلیت ہے کہ اگلے زمانے اور لوگوں کی ترقی ضروری ہے تاکہ تھوڑی سی تبدیلی کردے وہ یہ ہے کہ دُوسرا قانون اور دوسرا پیغمبرؑ ضرور ہو۔ تاکہ ان کی استعداد و قابلیّت کے مطابق ان کو تعلیم و تربیّت دے۔

امّا اصولِ دین :- بالکل تغیّر پذیر نہیں ہیں۔ توحید و نبوّت وغیرہ پر اعتقاد ہر زمانے اور ہر انسان کے لئے ہے اور ان کے معانی ہمیشہ ایک ہیں۔ لیکن یہ دوسری آفت کے لئے ہے، یعنی ایک پیغمبر کی رحلت کے بعد اور اوصیاء پاک اور اس کے خلفاء کی امّت سے دُوری سے غیروں کے دخول، منافقوں کی مداخلت اور غیروں کی حکومت کے انواع و اقسام کے واقعات کی وجہ سے کبھی کتابِ آسمانی میں تحریف ہوجائے گی اور ظاہراً وہ کتاب

نیست و نابود ہو جائے گی اور اس کے علاوہ اصُول کے زیاں پر یہ آفت فروع پر بھی وارد ہو گی اور یہ دین پاک کُلّی طور پر تبدیل ہو جائے گا اور کفر و شرک کا رنگ اختیار کرے گا اور آخرکار لوگ اس دین کی تمام چیزوں کو فراموش کر دیں گے۔ اسی لئے مجبوراً دوسرے پیغمبر اور دوسری کتاب کی ضرورت ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ خدائے مہربان ہر زمانے میں انسانیت کی ہدایت کے لئے ایک برگزیدہ بشر کو مبعوث فرماتا ہے اور اصُول کو بعینہٖ اور فروع کو تھوڑے سے تغیّر کے ساتھ ارسال فرماتا ہے۔

ع :۔ کسروی بھی یہی کہتا ہے اور اپنے آپ کو عصرِ جدید کا رہنما کہتا ہے۔ وہ یہ بھی ادّعا کرتا ہے کہ دِین اسلام تبدیل ہو گیا ہے اور اس کی بلند و مضبُوط بنیاد ویران ہو گئی ہے اور اس کا ادّعا یہ ہے کہ وہ آج اسی مقدّس بنیاد پر اپنے آئین کی بنیاد رکھے گا۔

ح :۔ فرزندِ عزیز! تمہارے اعتراض کی دو بحثوں میں تشریح کرنی چاہیئے۔

اوّل :۔ یہ کہ آیا دینِ اسلام کی بنیاد بھی گذشتہ ادیان کی طرح منہدم ہو گئی ہے یا دینِ اسلام کے اصُول و فروع یہوُدیت و نصرانیّت کے اصُول و فروع کی طرح ختم ہو گئے ہیں اور آسمانی کتاب میں

تحریف ہوئی ہے؟ اور کیا یہ صحیح ہے کہ اب انسان جدید پیغمبر اور جدید کتاب کا محتاج ہے؟ یا یہ کہ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے۔ بلکہ مسلمان غافل و سست ہوگئے ہیں اور اپنے دین و شریعت سے استفادہ نہیں کرسکتے ہیں۔

دوم :- کسروی کہ جو رہنمائی کا ادّعا کر رہا ہے اور اپنے آپ کو برگزیدہ کہتا ہے کیا وہ پیغمبری کی لیاقت و قابلیّت رکھتا ہے؟ اور لوگوں کا رہبر و رہنما ہوسکتا ہے؟ یا یہ کہ صرف ادّعا اور دروغ ہے اور اس میں حقیقت نہیں ہے۔

سب سے پہلے کسروی کے بارے میں گفتگو کریں اور اس کا دروغ اور عدمِ لیاقت ثابت کریں۔

ع :- ہم کسروی کے دروغ اور عدمِ لیاقت کو کس طرح ثابت کرسکتے ہیں؟

ح :- عزیزم سُنو! کسروی اپنے آپ کو برگزیدۂ خداوندِ عالم سمجھتا ہے اور اس کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ تربیّت و سعادتِ بشر کے لئے اُٹھا ہے۔ ایسے آدمی کو راست گو، پاک اور درست کار ہونا چاہیئے۔ لیکن کسروی نے جو کچھ بھی احادیث و اخبار اور قرآنی آیات کا ترجمہ نقل کیا ہے وہ زیادہ تر دروغ و کذب پہ

مبنی ہے اور مسلمانوں خصوصاً شیعوں پر جو حملہ کیا ہے وہ تمام کا تمام مکر و فریب ہے اس کی کوئی صحت و حقیقت نہیں ہے۔ انشاءاللہ میں آئندہ بحث میں اس کے مکر و فریب کا پردہ چاک کروں گا۔ لیکن عجالتاً اس کے واضح جھوٹ کے دو حصّے جن کو اس نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے اس کی نشاندہی کرتا ہوں۔ اس کی طرف بعض ردّ کرنیوالے بھی ملتفت ہوئے ہیں۔ کہ وہی اپنے گذشتہ گناہوں کے عیوب اور نقائص کی پردہ پوشی کرنے کے لئے پیغمبرِ اسلام کے بارے میں خصوصاً اظہارِ نبوت کے قبل کے ایام میں خطاو نادانی اور گمراہی کو ثابت کرنا چاہتا ہے۔ لیکن کسی مقام پر بھی کوئی مدرک اس کے ہاتھ میں نہیں آیا ہے (نہ عقلی نہ نقلی) وہ صرف دو آیتوں کا سہارا لیتا ہے اور ان کو قوی و روشن دلیل و برہان قرار دیتا ہے۔

آیت اوّل:۔ فکشفنا عنك غطائك فبصرك اليوم حديد۔

آیت دوم:۔ و وجدك ضالاً فهدى۔

وہ پہلی آیت کا ترجمہ اس طرح کرتا ہے کہ "اے محمدؐ! کہ ہم نے تجھ سے پردہ اٹھا لیا ہے۔ پس اب تیری بینائی تو ہا ہے۔" یعنی قبل از نبوت تیری آنکھوں کے سامنے پردہ تھا اور تو حقائق کا

ادراک نہیں کرتا تھا۔ لیکن اب نبوّت کے وقت ہم نے اس پردہ کو اُٹھا دیا ہے اور اب تیری بینائی قوی ہو گئی ہے، اور تیرے سامنے سے اندھیرے کے سیاہ بادل چھٹ گئے ہیں۔

آیت دوم کا وہ اس طرح ترجمہ کرتا ہے" کہ خدا نے تجھے گمراہ دیکھا پس اس نے ہدایت فرمائی"۔ ان ہر دو آیات میں کسروی صریحاً دروغ کا مرتکب ہوا ہے اور ان آیات کے شانِ نزول میں ردّ و بدل کیا ہے۔ جو شخص تھوڑا سا بھی زبانِ عربی سے آشنا ہے وہ اگر ان آیات کے سیاق و سباق کا مطالعہ کرے تو اس کے دروغ و مکر و حیلہ سے مطلع ہو جائے گا۔

عزیزم! تم خود سورۃ "ق" و سورۃ "الضحیٰ" کو کھولو اور ان آیات کی تفسیر و شانِ نزول ملاحظہ کرو۔ مطلب واضح و روشن ہے۔

ع:۔ بہتر یہی ہے کہ آپ ہی بیان فرمائیں تاکہ دوسرے بیانات کے ضمن میں یہ بھی لوگوں تک پہنچ جائے۔

ح:۔ آیت فكشفنا عنك غطائك میں روئے سخن تمام لوگوں کی طرف ہے نہ کہ پیغمبرؐ کی طرف، وہ بھی روزِ قیامت میں، اس دنیا سے یہ آیت مربوط نہیں ہے۔ خداوند عالم نفخِ صور اور

روزِ وعید میں فرماتا ہے "اے انسان! تیری بصیرت نابینا تھی اور اوضاعِ عالم سے تُو غافل تھا، گویا کہ تُو تمام کو بے حقیقت خیال کرتا تھا۔ اب ہم نے تیری آنکھ کے سامنے سے پردے کو اُٹھا لیا ہے اور تیرے لئے حقائق منکشف ہو گئے ہیں۔ یہ میرے تمام وعدے وعید سچے تھے لیکن تُو دنیا میں اس پہ یقین نہیں رکھتا تھا۔ اب اس سے پہلی آیت کا مطالعہ کرو اور ہماری بات کی صحت دیکھو۔

لیکن تفسیر آیۂ ووجدك ضالاً فهدى یہ ہے کہ ایک دن رسُولؐ اللہ کی دایہ حضرت حلیمہ سعدیہ آنحضرتؐ کو اپنے قبیلہ بنی سعد سے مکّہ معظمہ لا رہی تھیں تاکہ پیغمبرؐ کو ان کے جدِ بزرگوار کے سپرد کر دے۔ مکّہ سے باہر قضائے حاجت کے لئے تھوڑا سا دُور جاتی ہیں اور جب واپس لوٹتی ہیں تو محمدؐ کو نہیں پاتی ہیں (حضور کے گُم ہونے اور ملنے کی داستان اخبار و تواریخ کی کتب میں مشہُور ہے)۔ خداوند عالم مقامِ احسان و بھلائی میں حکایت کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ الم يجدك يتيماً فاوىٰ، ووجدك ضالاً فهدى، ووجدك عائلاً فاغنى — کہ اے میرے حبیبؐ! تُو یتیم تھا تو تیرے خدا نے تیرے جدِ بزرگوار حضرت عبدالمطلبؑ اور عمِّ مکرّم حضرت ابو طالبؑ

کے ذریعہ سے تیری پرورش اور حفاظت فرمائی اور تو فقیر تہی دست تھا۔ حضرت خدیجہ کے مال و دولت کے ذریعے تجھ کو تونگر و غنی بنادیا۔ حضرت رسولِ اکرمؐ کے گم ہونے کے واقعہ نے بنی ہاشم کو ترساں و پریشاں کر دیا تھا۔ اس وجہ سے کہ وہ یہودیوں سے احتیاط کرتے تھے۔ کیونکہ وہ آنحضرت کے بہت بڑے دشمن تھے کہ کہیں یہودی آنحضرتؐ کے نازک وجود مبارک کو کوئی گزند نہ پہنچائیں۔ یہاں پر خدا مقامِ احسان و بھلائی میں فرماتا ہے کہ جب حلیمہ سعدیہ نے تجھ کو گم کر دیا تو ہم نے تیری حفاظت کی اور بنی ہاشم نے تجھے صحیح و سالم حاصل کر لیا۔

اب بتائیں! کہ جو شخص ان معانی کو تبدیل کر دے، جو تمام مسلمانوں کے نزدیک روشن اور واضح ہیں اور سادہ لوح لوگوں کو درغلانے کا مرتکب ہو، کیا وہ رہبری کی قابلیت و لیاقت رکھتا ہے اور برگزیدۂ خدا ہو سکتا ہے؟

ع:۔ شاید کسروی عربی کے معانی سمجھنے سے قاصر ہو اور اپنی کم علمی کی وجہ سے اس قسم کے اعتراض سے دوچار ہوا ہو؟

ح:۔ مجھے اس بات کا گمان نہیں ہے کہ وہ ظاہرِ قرآن کے ترجمہ کرنے سے بھی عاجز ہو یا کتبِ تفاسیر سے ناواقف ہو۔ لیکن ہم حُسنِ ظن

کرتے ہوئے اس بات کو قبول کرتے ہیں۔ آیا جو کند ذہن و جاہل آدمی سادہ عربی کے دو جملوں کے ترجمہ سے عاجز اور قرآن مجید کے معانی سے اس طرح بے خبر ہو۔ وہ وحی و الہاماتِ الہٰی کا لوگوں کے لئے کس طرح ترجمہ کر سکتا ہے اور خداوند عالم کا نمائندہ اور علماء اور دانشمندوں کا پیشوا و رہبر کیسے ہو سکتا ہے ؟

ع :- آقا! شاید اس نے نہ جھوٹ کہا ہو اور نہ ہی وہ بے علم ہو بلکہ ممکن ہے اس کو اشتباہ و غلط فہمی ہوئی ہو ؟

ح :- ہم یہ تصور نہیں کر سکتے ہیں کہ اس نے اشتباہ کیا ہو۔ اگر ہم تنزل میں آجائیں اور یہ بات قبول بھی کر لیں تو خدا کے رہنما و رہبر کے لئے یہ بہت بڑا ایک نیا عیب و نقص ہو گا۔ جو شخص ایسی واضح باتوں میں اشتباہ کرتا ہے تو لوگ وحی و الہام کے بارے میں اس سے کس طرح مطمئن ہوں گے۔ شاید ان میں بھی وہ اشتباہ کر جائے۔

عزیزم! دروغگو، مکّار و حیلہ باز، بے علم و نالائق اور ناداں شخص یقیناً رہنمائی و رہبری کے قابل نہیں ہے۔ غور سے سنو! کسی کی طرف سے بھی جو نمائندہ ہوتا ہے وہ اس کی قدرت و دلیل کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ پیغمبرؐ یا رہنمائے بشر

خداوند عالم کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اس کی گفتار و رفتار میں کوئی نقص و عیب نہیں ہونا چاہیئے۔ اب جبکہ ہم نے اس میں کئی عیب دیکھے ہیں، خصوصاً دروغگوئی، تہمت، چالبازی، نادانی اور سہو و نسیان وغیرہ تو ہماری عقل فیصلہ کرتی ہے کہ یہ شخص نبی و پیغمبر نہیں ہے بلکہ دروغ گو اور متنبّی ہے۔ کیونکہ خداوند عالم اس جیسے کم علم اور گمراہ کو ہرگز اپنا نمائندہ قرار نہیں دیتا، چنانچہ خدا فرماتا ہے:۔

ما کنت متخذ المضلّین عضداً۔ یعنی میں ایسا (عاجز) نہ تھا کہ گمراہ کرنے والوں کو بازو بنانا۔

"آنکس کہ خود گم است کہ را رہنمون شود"

صاحبانِ عقل اس بات کا اقرار و اعتراف کرتے ہیں کہ وہ خدا جو خود دانا و توانا ہے اس کا نمائندہ بھی دانا و توانا ہونا چاہیئے تاکہ وہ لوگوں کے لئے اطمینان و وثوق کا باعث بنے۔ کیا خداوند عالم کو یہ قدرت و طاقت نہیں ہے کہ کسی کامل شخص کا انتخاب کرے اور وہ کم از کم اس کی وحی و الہام کو مکمل طور پر حفظ کرے اور اس کے فرامین کا ترجمہ کرکے لوگوں تک پہنچائے اور وہ کُند ذہن و غبی نہ ہو۔ میں حیران ہوں کہ کسروی عقل و خرد کے سامنے کس طرح دم مارتا ہے بلکہ عقل و خرد کو اپنی گفتگو کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ حالانکہ اس کی گفتار و رفتار تمام

صاحبانِ عقل کے نزدیک جاہلانہ ہے۔

صد حیف ہے اس جاہل و بے خبر آدمی پر کہ جس کی گفتگو عقل کی ترازو پر پوری نہیں اُترتی۔ اَے نادان! آخر کون عقلمند ہے جو اس بات کو قبول کرے گا کہ رہنمائے لبشر اور خالقِ اکبر کا منتخب کردہ نمائندہ دروغ گو، کند ذہن یا غافل ہو۔

پیغمبرؐ اور سہو و نسیان

ع :- آقا! اہلِ سنّت پیغمبروں کے بارے میں سہو و نسیان کو جائز سمجھتے ہیں اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

ح :- بعض اہلِ سنّت پیغمبروں کے بارے میں صرف احکام عادی اور اعمالِ شخصیہ میں سہو و نسیان کو جائز سمجھتے ہیں نہ کہ وظائفِ نبوّت اور احکام الٰہی میں۔ اگرچہ اہلِ سنّت کا ایک گروہ اس کو جائز سمجھتا ہے لیکن اس بارے میں ان کے پاس کوئی مدرک و دلیل نہیں ہے بلکہ شیعوں نے دلائل شرعی اور براہین عقلی سے ان کے اس بے بنیاد عقیدہ کی ردّ کی ہے اور ان کے اس عقیدہ کے بطلان کو ثابت کیا ہے۔

چنانچہ ہم نے قبل ازیں کہا ہے کہ خداوند عالم کا نمائندہ ہر جہت سے کامل ہونا چاہیئے تاکہ وہ اُمّتِ مسلمہ کے لئے اطمینان و وثوق کا سبب بنے۔ سہو و نسیان و خطا ہر بزرگ و باعظمت شخص کے لئے بہت بڑا عیب اور نقص ہے۔ مخصوصاً یہ سہو و نسیان

اور خطا خداوند عالم کے نمائندہ کے لئے رقیب کے تمسخر و استہزاء اور حبیب کے عدم وثوق و اعتماد کا موجب بنے گا۔ علیٰ کلِ حال کسروی حقائق کے اثبات میں بہت بڑے اشتباہ سے دوچار ہوا ہے۔ حتیٰ کہ عوام کے نزدیک بھی بے آبرو و رسوا ہوا ہے بلکہ اس نے کجروی و دھوکہ بازی اور فریب کاری سے کام لیا ہے اور اپنے ہاتھ سے نبوّت و رسالت کے منشور پر سرخ لکیر کھینچ دی ہے۔

ع:۔ جس طرح تمام موحدین نبوت پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ اس طرح کسروی کا عقیدہ نہیں ہے۔ وحی کو جس طرح ہم سمجھتے ہیں وہ نہیں سمجھتا اور اس کے نتیجہ میں کہتا ہے کہ پیغمبر تمام عقلمند لوگوں سے ایک منتخب کیا ہوا شخص ہے جو الہام خدا کے ساتھ رہنمائی کرتا ہے۔ جس چیز کا عقل حکم کرتی ہے وہی وحئ الٰہی ہے۔ نبی سے سہو و نسیان بھی سرزد ہو سکتے ہیں۔ اگر وہ نمائندہ قبل از رہنمائی (نبوّت و امامت) گمراہ اور بدکار بھی ہو تو کوئی نقص و عیب نہیں ہے اور ان شرائط کو جن کو ہم نبوت میں ضروری و معتبر سمجھتے ہیں اور اس رابطہ و علاقہ کو جن کو ہم خدا و نمائندگانِ خدا کے درمیان اعتقاد رکھتے ہیں وہ سب کا انکار کرتا ہے۔ جبرئیل و روح القدس و وحئ الٰہی و مناجات

انبیاء و فرشتوں کا دیکھنا اور غیبی آوازوں کو سننا، وہ ان سب کو خرافات سمجھتا ہے۔

ح :- یہی مقام ہے جہاں کسروی رسوائے جہاں ہوتا ہے۔

اوّلاً :- پیغمبر میں عصمت کا نہ ہونا اور بھیجنے والے اور بھیجے جانے والے کے درمیان محکم رابطہ و علاقہ نہ ہونا، اس قسم کا عقیدہ کسی بھی مذہب و ملّت کا نہیں ہے۔

ثانیاً :- چونکہ کسروی نے قرآن اور اس عظیم المرتبت لانے والے کی حقانیّت کا خود اعتراف کیا ہے۔ اس لئے اس کی تمام باتیں اس ذیل میں بے معنی ہو جائیں گی۔

ع :- کسروی کی گفتگو قرآن کے مقابلے میں کسطرح بے معنی ہو جائے گی ؟

ح :- اس لئے کہ قرآن مجید فرماتا ہے ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الاّ وحی یوحیٰ یعنی پیغمبر اپنی مرضی سے کوئی بات نہیں کرتا ہے بلکہ جو کچھ بھی اس کے دو ہونٹوں سے باہر آتا ہے تمام کا تمام وحیٔ الٰہی ہے اور وہ تمام خدا سے حاصل کیا ہے۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ فرمانِ خدا جو نبی کی زبان

سے جاری ہوتا ہے اشتباہ نہیں ہے اور رسولِ خدا سہو و نسیان نہیں کرتا ہے، اور فرشتہ و جبرئیل اور رُوح القدس کا وجود حق ہے۔ نامعلوم کسرَوی کونسے قرآن مجید کی تصدیق کرتا ہے۔ بیچارہ دو نقیضوں کے درمیان پھنس گیا ہے۔ اگر وہ پیغمبروں کے وجود کی تکذیب کرے گا تو بنیادی طور پہ پیغمبری لغو و باطل ہو جائیگی اور وہ خود کہ انتہائی خواہش کے ساتھ نبوّت پہ بھروسہ کرنا چاہتا ہے وہ اس سے محروم ہو جائیگا۔

اب جبکہ اس نے تصدیق کی ہے تو تمام پیغمبر اور کُتبِ آسمانی اسکی تکذیب کرتے ہیں اور اسکی پیغمبری کو غلط قرار دیتے ہیں۔

اسلوب کتاب مقدّس الٰہی

ع :- قرآن مجید کسروی اور اس کی باتوں کی کس طرح تکذیب فرماتا ہے ؟

ح :- عزیز غور سے سُنو ! اس کتاب مقدّس کہ جس کا ہم مطالعہ کرتے ہیں ، دیکھتے ہیں کہ کسروی کی باتوں اور اس میں بہت زیادہ فرق ہے - قرآن مجید خداوند عالم کے خطابات کا مجموعہ ہے جس کی طرف ہر تلاوت کرنے والا ملتفت ہوتا ہے ، اور اس کے مطالب کی طرف متوجہ ہوتا ہے - بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم - اقراء باسم ربّك الّذی خلق - اے محمدؐ ! تو پڑھ ! اپنے رب کا نام جس نے پیدا کیا ہے - یاایّها المدثّر قم فانذر - اے مدثر ! تو اُٹھ پس ڈرا - یٰسین والقرآن الحکیم انك لمن المرسلین - یٰسین ! قرآن حکیم کی قسم تو مرسل پیغمبروں میں سے ہے - طٰہٰ ما انزلنا علیك القرآن لتشقیٰ - طٰہٰ ! ہم نے تجھ پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا ہے کہ آپ تکلیف اُٹھائیں

يا ايّها الرّسول بلّغ ما انزل اليك من ربّك وان لم تفعل فما بلّغت رسالته والله يعصمك من النّاس

اُے رسُول! وہ چیز پہنچا جو تیری طرف تیرے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔ پس اگر تُو نے تبلیغ نہ کی تو تُو نے رسالت کی تبلیغ نہیں کی اور اللہ تجھ کو لوگوں سے بچائے گا۔ یا ایّھا النّبیّ جاھد الکفّار والمنافقین۔ اَے نبی! کفّار اور منافقین کے ساتھ جہاد کر (یٰسین، طٰہٰ و مدثّر آنحضرتؐ کے اسماء مبارک ہیں)۔ جو شخص بھی قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے اور اس کے معانی کو سمجھتا ہے، وہ یقیناً جانتا ہے کہ عظیم الشّان حاکم اپنے مقرّب مامور کو اس کے وظائف و فرائض کی اس کو تعلیم دیتا ہے اور اس کو بشر کی رہنمائی و تربیّت کے لئے بھیجتا ہے۔ گویا ربّ الارباب خطاب فرماتا ہے اور پیغمبر اکرمؐ سماعت کرتا ہے یا یہ کہ رُوح الامینؑ خداوند عالم کی طرف سے حبیبِ خداؐ کی طرف پیغام مقدّس لیکر آتا ہے تاکہ پیغام کے مضمون اور خدا کے مقرّرات پر عمل فرمائے۔

آیا خداوند عالم کے پیغام یا خطابات میں سہو و اشتباہ آسکتا ہے؟ حاشا یہ ممکن نہیں ہے۔ وہ خدا جس کو زمین و آسمان کے پیدا کرنے میں سہو و نسیان نہیں ہوا۔ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ پیغام رسانی میں سہو و نسیان کرے۔

اب تجھے کسروی کی تحریروں کا صحیح طریقہ سے مطالعہ کرنا چاہیئے مطالعہ کرنے کے بعد بتائیے کہ کسروی کی تحریروں میں ایک جملہ بھی قرآنی آیت کے مشابہ ہے، مجھے یقین ہے کہ کوئی بات بھی تو قرآن کے مطابق نہیں پائے گا۔

اور اسی دلیل سے اس موجودہ انجیل کی جو اس وقت عیسائیوں کے پاس ہے مجعولیت ثابت کریں گے کہ اس میں حضرت عیسیٰؑ کی تاریخ کے سوا کوئی چیز بھی نہیں کہی گئی ہے۔

اب تو ملتفت ہوا ہے کہ قرآن کسروی اور اس کی تحریروں کی کس طرح تکذیب فرماتا ہے۔

اگر وہ قرآن مجید جو قیامت تک حافظ توحید و دین ہے۔ ہمارے پاس نہ ہوتا تو کسروی آئین اور پیغمبری پر اعتراض کر سکتا تھا۔ لیکن یہ کتاب مقدس کہ جو ہر دروغ گو و مکار و حیلہ باز کو تہدید کرتی ہے۔ اس کے سامنے کوئی بات کہنا محال ہے۔ جب اس کے بھائی مسیلمہ کذاب و سجاح اور دوسرے یہ نہیں کر سکے ہیں تو اسکی کیا طاقت ہے۔

ملت اپنے فرائض سے آگاہ نہیں ہے

ع:- میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ اس بحث میں کسی قسم کے اعتراض کی بھی گنجائش باقی نہیں رہی ہے اور اس شخص کی کم علمی اور غلط کاری صاف طور پر واضح ہو گئی ہے۔

لیکن تھوڑے سے فہیم طلباء اس کے ظاہر البطلان کی طرف کیوں متوجہ نہیں ہیں اور کسروی کے گرویدہ ہو گئے ہیں اور اس کے دروغ و کذب کی تصدیق کی ہے۔

ح:- تعجب نہ کر! اس کے پیروکاروں سے اس سے زیادہ کی توقع نہ رکھ۔ بیشتر نوجوان جو کسروی کے پیچھے دوڑتے ہیں اگرچہ ان کا شمار ملک کے دانشمندوں میں ہوتا ہے لیکن وہ ہر چیز سے بے خبر ہیں۔ کسروی قرآنی آیات کو نقل کر کے ترجمہ کرتا ہے اور ان کے شانِ نزول کو لکھتا ہے اور اپنے عقائد کے مطابق ان میں کمی و زیادتی کرتا ہے۔ اس کی باتوں پر یقین نہ کر۔ نوجوانوں کو چاہیئے تھا کہ وہ اس کی باتوں کی تحقیق کرتے اور تفسیر و احادیث کی

طرف توجہ کرتے تاکہ ان پر اس کا جھوٹ و سچ واضح ہو جاتا۔ لیکن اسکے برخلاف وہ تمام نوجوان آنکھیں بند کر کے اس کی بات کی تصدیق کرتے ہیں اور یقین کر لیتے ہیں۔ اکثر عوام بھی اسی طرح ہیں اور ان لوگوں کا یہی بہت بڑا عیب ہے کہ تحقیق و تفتیش کے بغیر دوسروں کی بات کو قبول کر لیتے ہیں۔

اگر پڑھنے اور سننے والے اس نکتہ کی طرف توجہ کرتے اور اس پر عمل کرتے کہ جو ہر صاحبِ وجدان و صاحبِ ایمان کا فریضۂ تحقیق ہے تو کوئی دروغ گو اور حیلہ باز پانچ آدمیوں پہ بھی حکومت نہ کر سکتا بلکہ رہنمائی اور رہبری ہمیشہ راست گو لوگوں کی ہی ہوتی۔ کسروی وہ ہے کہ جس نے شیعہ کے خلاف عَلَمِ مخالفت بلند کیا ہے اور جھوٹ اور فریب کاری سے کام لیتا ہے۔

عزیزم! یہ سادہ لوح عوام ہمارے عقائد اور کسروی کے جھوٹ سے بے خبر ہیں۔ اگر وہ ان سے باخبر ہو جائیں تو یقیناً وہ پرچم و پیمان لکھنے والے کو ٹھوکر مار دیں گے۔

ع:۔ جس طرح آپ فرما رہے ہیں یقیناً یہی بات ہے کہ نوجوان

ان چیزوں سے بے خبر ہیں لیکن رُوحانیوں (علماءِ کرام) کا فرض ہے کہ ان کو آگاہ و باخبر کریں۔ کیونکہ وہ ایک طرح سے شریعت و مذہب کے محافظ ہیں۔ وہ ان بدخواہ لوگوں کا جواب کیوں نہیں لکھتے ہیں

ح :- کہتے ہیں کہ الباطل یموت بترک ذکرہ۔
باطل کا ذکر ترک کرنے سے باطل مر جاتا ہے۔

ع :- لیکن جناب عالی کی کیا رائے ہے ؟

ح :- یہ گفتگو، تحریر اور طبع کرنے کا ارادہ یہ سب کچھ ہماری رائے کو واضح کرتے ہیں۔ ہر آدمی کو اپنے فرائض سے آگاہ ہونا چاہیئے۔

وہ روحانی جو جہاد و دفاع نہیں کرتا وہ از راہِ دین جو کچھ بھی کھاتا ہے وہ اس پر حرام ہے بلکہ خنزیر کے گوشت سے بھی حرام تر ہے۔ اسی طرح جیسے ایک فوجی قوم کی روٹی تو کھاتا ہے لیکن ملک کا دفاع نہیں کرتا اور دشمنوں کے حملے کو رد کرنے کی تدبیر و فکر نہیں کرتا۔

روحانیت دو جنبے رکھتی ہے :۔

اوّل :- تقریری اور تحریری طور پر مخالفین کے ساتھ جنگ کرنا۔

دوم :۔ من حیث احکام و اخلاق لوگوں کی داخلی تربیت ہے۔
تسبیح اور خالی و خشک سجدے فرائض کو پورا نہیں کرتے ہیں۔

عزیزم ! ہم موضوعِ بحث سے بہت دُور نکل گئے ہیں لہٰذا آمدیم بر سرِ مطلب

اب جبکہ دلائل سے واضح ہو گیا ہے کہ کسریٰ ہی نبی و رسُول اور پیغمبر نہیں ہے مارہنما اور خدا کا برگزیدہ بھی نہیں ہو سکتا تو ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ آیا دینِ مقدس اسلام بھی دوسرے ادیان کی طرح پرانا ہو گیا ہے؟ اس کی بُنیاد نیست و نابود ہو گئی ہے؟ اور اس کا اصول ختم ہو گیا ہے؟ اور اب ہمارا زمانہ ایک نئے نبی کا محتاج ہے یا نہیں؟

لیکن اصولِ دین ہر حیثیت سے اپنی جگہ پہ برقرار ہیں اور اس کے ارکان بھی ثابت و محکم ہیں۔ نہ اس کے اصُول سے کوئی حرف کم ہوا ہے اور نہ ہی اس کے ارکان سے کوئی چیز نیست و نابود ہوئی ہے۔

ع :۔ اسلام اور مسیحیت کے درمیان کیا فرق ہے۔ عیسائیوں کے لئے ایسا کیوں ہے کہ وہ تقریباً چھ سو سال کی مدت کے بعد پیغمبرِ اسلام کے محتاج ہوں اور انجیل متروک و منسوخ ہو

جلئے اور جدید آسمانی کتاب نازل ہو۔ لیکن مسلمانوں کو چودہ سو سال کے بعد بھی اس طولانی مدت میں نئے نبی و رہنما کی ضرورت نہیں ہے ؟

ح :۔ تم بھی بعض بے خبر لوگوں کی طرح اس کے بنیادی نقطہ کی طرف ملتفت نہیں ہو۔ عزیزم ! حضرت مسیحؑ خدا کی طرف سے آیا اور ایک خدا پرستی کا دین اپنے ساتھ لایا، تاکہ ایرانیوں کی آتش پرستی، یہودیوں کی گئوسالہ پرستی و ستارہ پرستی و گاؤ پرستی اور بُت پرستی کو ختم کر دے اور ایک کتاب بنام انجیل جو دراصل احکام خداوندی تھے اس کو بھی اُمت کے سامنے پیش کیا۔ حضرت عیسےٰؑ کے زمانے میں بہت کم لوگ اس پر ایمان لائے۔ لیکن بہت ہی قلیل عرصے میں وہ خدا پرستی شرک اور عیسیٰ پرستی اور وہ انجیل آسمانی، لوقا، یوحنا، متی، مرقس اور برناباسے تبدیل ہوگئی اور خطاب ہائے الہٰی اور احکام شریعت مسیحؑ (کشیش) مسیحول کے پیشواؤں کی شخصی اغراض کے دیوانے ہو گئے۔

بنا بریں اس دین سے اب نہ توحید باقی ہے اور نہ کتاب کہ اس کی طرف رجوع کیا جائے۔ لہٰذا ایک جدید پیغمبر و جدید قانون دان اور جدید کتاب الہٰی کی ضرورت محسوس ہوتی تکہ

دوبارہ حقائق دین اور احکام الٰہی انسان کے سامنے پیش کئے جائیں اور لوائے توحید نوع انسانی کے سروں پر کھولا جائے۔

دینِ مسیحؑ اور اس کی کتاب سے کوئی بھی ایسی چیز باقی نہیں بچی کہ کوئی مُصلح آکر لوگوں کو حضرت عیسیٰؑ کے صحیح مذہب کی جانب واپس لے آتا لیکن اسلام اور اسلامیّت کا قصہ اس طرح نہیں ہے۔ مسلمانوں کے ہاتھ میں قرآن مجید جیسی بہت بڑی حجّت اور دلیل موجود ہے جس سے وہ لوگوں کی اصلاح کر سکتے ہیں۔ تمہیں چاہیئے کہ ان غلط نسخوں کو اصل نسخہ سے ملاکر تصحیح کریں۔

قرآن مجید ہر عصر و زمانے میں بہت بڑا آسمانی رہنما ہے جو کہ بے راہ لوگوں کو ہدایت و سعادت اور صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ موجودہ قرآن وہ آسمانی کتاب اور پیغامِ الٰہی نہیں ہے؟ اس کے علاوہ ہمارے پاس سنت میں بھی احکام اور قوانین موجود ہیں کہ جو باتفاق شیعہ و سُنّی رسُولِ خداؐ کے ہونٹوں سے نکلے ہیں اور تحریف کے ہاتھوں نے ان کو چھوا تک نہیں۔ اسی بنا پر حضرت امام الانبیاءؐ کے بعد ادعائے پیغمبری سراسر غلط اور شیطنت ہے۔

اب اگر اصُولِ مسیحیّت کے بارے میں سوال ہو تو مسئول شخص اسکے جواب دینے میں متحیّر ہو جائے گا۔ مسیحیوں کے پیشواؤں کے عقائد اور

ان کی تحریروں کے سوا (جن پر ہزارہا لوگوں نے شک وشبہ کیا ہے) ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ لیکن اگر اسلام کے اصول وفروع کے متعلق سوال کریں تو وہ قرآن مجید جس نے تمام احکام الہٰی کو حفظ ومحفوظ کیا ہے کمال فصاحت وبلاغت کے ساتھ ان کے ایک ایک سوال کا جواب دے گا۔ پس یہ بلاشک وشبہ وہی کلام الہٰی ہے جو چودہ سو سال قبل سعادتِ بشر کیلئے نازل ہوئی تھی اور اب بھی نوعِ بشر کی خوش بختی اور خوشحالی ونجات کی ذمّہ دار ہے۔

ع:۔ کسروی کہتا ہے کہ احکامِ اسلام اس زمانے سے مطابقت نہیں رکھتے اور لوگ نئے احکام وعقائد کے محتاج ہیں اس لئے نئے رہنما اور رہبر کی ضرورت ہے۔

ح:۔ اسکے اسی ایک دعوےٰ کی وجہ سے اس کی دروغ گوئی اور اس کی رہنمائی و رہبری کا بطلان ثابت ہوتا ہے۔

ع:۔ یہ ایک کلمہ کسروی کے بطلان کو کس طرح ثابت کرتا ہے؟

ح:۔ قرآن مجید جو بلاشک وشبہ کلامِ الہٰی اور کتابِ آسمانی ہے جس کا کسروی بھی اعتراف کرتا ہے۔ خداوند عالم سورۃ احزاب میں فرماتا ہے

ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللّٰہ وخاتم النبیّین۔

ترجمہ:۔ تمہارے مردوں میں سے کسی ایک کا بھی باپ نہیں ہے اور لیکن اللہ کا رسول اور خاتم النبیین ہے ——— جب رسولِ خدا کی پیغمبری اور خاتمیت ثابت ہو گئی ہے تو احکام و عقائدِ اسلام کی صحت اور اس کی پائندگی و ہمیشگی بالضرورت ثابت ہے۔ اگر لوگ کسروی کی باتوں کی تصدیق کرنا چاہیں اور پیغمبرؐ و قرآن کے علاوہ کسی دوسرے پیغمبر و کتاب کے معتقد ہوں اور کسی دوسرے آئین کے منتظر ہوں تو اس آیۂ شریفہ (جو عین کلام الٰہی ہے) کی تکذیب کریں (نعوذ باللہ)۔ اگر انہوں نے قرآن مجید کی تصدیق کی ہے اور اس کی صداقت پر ایمان لائے ہیں تو پھر کسروی کو دروغ گو اور مشکوک سمجھنا چاہیئے بلکہ وہ رہزن اور ڈاکو ہے جو بیچارے سادہ لوح لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔

احکامِ قرآن اور قوانینِ اسلام

ہر زمانے کے مطابق ہیں

ع :- کسروی کا دروغ اور بطلان ثابت ہو گیا ہے - اب ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے - لیکن اس کا یہ کہنا کہ احکام اسلام اس عصر جدید کے تقاضوں کے مطابق نہیں ہیں اور چودہ سو سالہ احکام کے علاوہ دوسرے احکام کی ہمیں ضرورت ہے اس کا کیا جواب ہے - یہ صرف کسروی کا اعتراض نہیں ہے بلکہ دوسرے لوگ بھی اس قسم کے اعتراض کرتے ہیں -

ح :- ہم احکام و فرمانِ قرآن کو ہر جہت سے کامل اور صحیح سمجھتے ہیں اور تمام انسانوں بلکہ وحشی و متمدن ، جاہل و عالم جو اس دنیا میں موجود ہیں یا ہوں گے ان سب کے لئے کافی شمار کرتے ہیں اور اس بات پر مکمل یقین رکھتے ہیں کہ رسولِ خدا کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا - اور اس قرآن کے بعد کوئی کتاب اور ان احکام کی جگہ دوسرے احکام نہیں ہونگے

کسروی جن اصول و فروع کو عصرِ حاضر کے لوگوں کے لئے کافی و وافی نہیں سمجھتا ہے۔ ان کو تحریر کرے اور عقلی دلیل سے ثابت کرے تاکہ صاحبانِ عقل اس کو پڑھ کر خود فیصلہ کریں۔

توحید، عدل، نبوّت، امامت اور قیامت،
یہ پنجگانہ اصول جو شیعوں کے نزدیک معتبر ہیں ان میں کون سا اصول زائد اور بے معنی ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، خمس، جہاد، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، تولاّ اور تبرّا ان دس فروعات میں بھی کسروی جو نقص و عیب ثابت کر سکتا ہے اس کو بھی تحریر کرے اور اس اصول و فروع کو جس کو عقل و دانشِ جدید کے موافق نہیں سمجھتا ہے اس کے لئے کوئی دلیل پیش کرے اور ہم دیکھیں اور اس کی باتوں کا موازنہ کریں اور اسی طرح وہ یہ بھی بتائے کہ اسلام کی اخلاقی تعلیمات کی نسبت کرم و شجاعت، راستی و درستی، عدل و مساوات، صبر و شکیبائی، شکر و مہربانی، جذبہ و تواضع ثبات و استقامت اور عزم و ارادہ وغیرہ ان میں سے کونسی چیز اس زمانے میں نہیں ہونی چاہیئے یا ان میں کونسی ایسی چیز ہے جو انسان کی آسائش و زندگی میں خلل ڈالتی ہے۔ کسروی ان تمام باتوں کو بیان کرے تاکہ لوگ سماعت کریں اور انصاف کریں۔

ع :- اب کسروی راجع بہ اصول دین امامت کا انکار کرتا ہے اور صرف خلیفہ کی خلافتِ ظاہری اور حکومت کا اعتراف کرتا ہے اور اسی طرح اس نے باقی اصول کے معانی کو بھی تبدیل کر دیا ہے۔ چنانچہ نبوت و معاد کو بھی اسلام کے عقائد کے خلاف لکھتا ہے۔

ح :- ہم نے توحید و نبوّت کو گذشتہ مباحث میں عقائد اسلام و عقائدِ امامیہ کے مطابق ثابت کر دیا ہے۔ امامت اور معاد کو بھی ہم انشاء اللہ آئندہ بحث میں مفصل بیان کریں گے اور حقیقت واضح ہو جائے گی۔

ع :- کسروی نے خمس و زکواۃ کے بارے میں بھی کئی اعتراضات کئے ہیں اور اس کے متعلق بہت سے اوراق سیاہ کر دیئے ہیں۔

ح :- ایک آئین کے پیروکاروں کیلئے خمس و زکواۃ کے واجب ہونیکے ثبوت میں کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ شرعی واردات ہیں جن کو دین و مذہب کی حفاظت میں خرچ ہونا چاہیئے۔ اس کیلئے کتاب و سنّت نے بھی امر فرمایا ہے۔ اس میں کونسا عقلی اشکال ہے اور کسروی کیا کہتا ہے اس کو بیان کیجئے۔

محلِ مصرفِ خمس و زکوٰۃ

ع :۔ کسروی کہتا ہے کہ اگر خمس و زکواۃ اسلام میں ہے تو وہ مسلمانوں کی اصلاح کے لئے خرچ ہونا چاہیئے ۔ روحانیانِ جعفری کے پاس کون سی دلیل ہے کہ وہ تمام خمس و زکواۃ تمام ممالکِ اسلامی سے جمع کر کے قم، نجف اشرف، کربلا یا مشہدِ مقدس کی طرف لے جاتے ہیں اور شخصی طور پر صرف کرتے ہیں ؟

ح :۔ عزیزم ! یہ بھی اس کے جھوٹوں میں سے ایک جھوٹ ہے اور یہ اس کی فریب کاری ہے ۔ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ ایسی باتیں کر کے لوگوں کو روحانیوں کا مخالف بنا دے لیکن انشاءاللہ اس کا یہ منصوبہ کبھی بھی پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکے گا ۔

زکواۃ کا ایک درہم (روپیہ) بھی مراکزِ علم کی طرف نہیں لے جایا جاتا زکواۃ ہر قریہ و شہر کے غرباء و مساکین میں تقسیم ہوتی ہے ۔ فقہا و مجتہدین اس بات کو جائز نہیں سمجھتے ہیں کہ زکواۃ کی رقم کو اسکے محل و مقام

سے باہر لے جائیں۔ مگر اس وقت جب اس قریہ یا شہر میں کوئی مستحق نہ ہو۔ اس صورت میں نزدیکی قصبوں اور شہروں کی طرف لے جاتے ہیں (الاقرب فالاقرب) وہ تمام دیہاتی اور شہری جو مسائل کو جانتے ہیں ان کے سامنے کسروی کا جھوٹ واضح اور روشن ہے اسی لئے پڑھے لکھے لوگوں پر اس کا جادو نہیں چل سکتا۔

لیکن خمس قرآن مجید کی نص کے مطابق اس کا ایک نصف یتیموں مساکین اور ابن السبیل (ہاشمی نسب سادات) کے لئے اور اس کا دوسرا نصف قرآن کی نص کے مطابق خدا و رسولؐ اور ذی القربیٰ کے لئے مخصوص ہے۔ خدا و رسولؐ کے مال کا رحلتِ رسولِ خدا کے بعد دلیل و برہان کے مطابق اس کا وصی وجانشین مالک ہے اور عقیدۂ امامیہ کے مطابق اب اس کے مالک حضرت امام زمان عجل اللہ فرجہ، وسہل اللہ مخرجہ ہیں۔[۱]

فقہاء مجتہدین کہ جو عام نائب امام ہیں۔ صرف اس نصف کو جس کو

---

[۱] خمس کے دو حصے ہیں، سہم سادات اور سہم امام۔ مستحقین سہم سادات یتامیٰ و مساکین اور ابن السبیل ہیں۔ اور ارباب سہم امام خدا و رسولؐ اور امام ہیں اور پیغمبر کے بعد یہ حصہ امام کے قبضہ میں ہے اسی لئے اس کو سہم امام کہتے ہیں۔

سہم امام کہتے ہیں مراکز علمی کی طرف لے جاتے ہیں اور دین و مذہب کے خاص موارد میں اس کو صرف کرتے ہیں بلکہ زیادہ تر اس کا نصف انہی لوگوں کے غرباء و مساکین میں تقسیم کر دیتے ہیں۔

ع :- کسروی کہتا ہے کہ وجوہاتِ شرعیہ کو عام موارد یا اصلاحاتِ مملکت میں خرچ کرنا چاہیئے۔ علماء اس میں تصرّف کا حق نہیں رکھتے ؟

ح :- تعجّب ہے ! جب خداوند عالم اور نبی اکرمؐ نے اس کے مصرف کا مقام متعیّن فرما دیا ہے تو دوسروں کو کیا حق حاصل ہے کہ اس میں بے جا تصرّف کریں اور احکام اسلام میں مداخلت کریں قرآن مجید نے مصرف خمس و زکواۃ کے ایک ایک مقام کو بیان فرمایا ہے۔ کیا کسروی کی مرضی کے مطابق اس کو تبدیل کیا جا سکتا ہے ؟

ثانیاً :- کیا اصلاحِ حال فقراء و مساکین و ابناء سبیل یا حوزہ ہای علمی و دینی کی تشکیل خدمتِ ملک و ملّت نہیں ہے ؟

ع :- کسروی کہتا ہے کہ یہ مُلّاں اس کے کھانے اور تصرّف کا حق نہیں رکھتے ہیں۔ یہ مُلّاں جامعہ کے لئے کون سی خدمت انجام دیتے ہیں کہ وہ وارداتِ اُمّت اور وجوہات کے کھانے کا

حق رکھتے ہوں؟

ح:- عزیزم! سہم امام کے بارے میں مختلف آراء تھیں لیکن اب علماء کے درمیان بہترین آراء عمل ہے اور وہ بھی صرف تشکیلاتِ علمیہ و شرعیہ کے بارے میں ہے جو جامعۂ تشیع کے اہم وظائف کی کفالت کرتا ہے۔

فرزندِ عزیز سُنو! سہم امام علیہ السّلام ایک شرعی و مذہبی حق ہے کہ جو مسلمان اپنی صنعت و حرفت کے نفع سے (جس کی تفصیل تمام کتب فِقہ میں مذکور ہے) اس کو نکالے اور بہترین شرعی خدمات، دین کے احکام کا درس علومِ مذہب میں تخصّص اور تعلیمِ اُمّت اور تربیّتِ ملّت ہے۔ اسی بناء پر سہم امامؑ میں تصرّف کے حقدار صرف فقہاء و خطباء اور طلّاب معارفِ دینیہ ہیں۔ حفظِ احکام شرعیّہ، آداب اسلامیّت اور مسلمانوں کی تربیّت مُلک و ملّت کی بہت بڑی خدمت ہے۔

اب ہم فرض کرتے ہیں کہ سہم امامؑ ایک واردات ہے کہ جس کو عام مملکت کے اہم امور میں خرچ کرنا چاہیئے۔ ایک اُستاد کہ جو سکول یا کالج میں حساب، ہندسہ، ہیئت یا جغرافیہ کے

درس کی تعلیم طالب علموں کو دیتا ہے۔ تمہارے قول کے مطابق وہ تو اس سے خرچ کرنے کا حق رکھتا ہے۔ لیکن یہ فقیہہ اور خطیب جو لوگوں کو درسِ انسانیت دیتا ہے وہ یہ حق نہیں رکھتا کہ کم از کم وہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی مختصر روزی کا انتظام کرے۔ ہائے بے انصافی! تو فقیہہ و خطیب کو ایک عام اُستاد سے بھی کم سمجھتا ہے۔

کیا فقہاء و خطباء جو اسلام کے روحانی مجاہد اور مملکت اور جامعہ کے اخلاقی و معنوی مربی ہیں ان کو زندہ رہنے کا حق نہیں ہے؟ لیکن وہ لوگ جو شب و روز اپنے آرام و آسائش اور آسمان سے باتیں کرتے ہوئے محل بنانے میں مصروف ہیں اور ان کی وجہ سے عیش و عشرت، بد اخلاقی اور فضول خرچی کی محافل آباد ہیں، وہ حق رکھتے ہیں کہ دین و ملت کی ہر چیز میں تصرف کریں۔ اگر یہ شریف لوگ روحانی نہ ہوتے تو بے دینی اور مادی گری تمام عالم کو نیست و نابود کر دیتی اور اگر علماءِ جعفری نہ ہوتے تو کسروی کے جھوٹ اور مکر و فریب کے پردے کیسے چاک ہوتے؟ یہ تمام طلاب و اہلِ منبر اور علماءِ اسلام کی خدمات کا نتیجہ ہے۔

کہتے ہیں عالم کو چاہیئے کہ وہ عالم بھی ہو اور تاجر بھی، عالم بھی ہو اور صنعت گر بھی، عالم بھی ہو مزدور اور کسان بھی، بتائیے

کیا روحانیوں کے لئے روحانیت کا بارِ گراں کافی نہیں ہے؟ روحانی جس کی عمر کے شب و روز اور ہر ہر منٹ خدمتِ دین و ملّت کے لئے وقف ہے۔ کیا وہ کسی دوسرے کام یا پیشہ میں مشغول ہو سکتا ہے؟

فوج کا سپاہی کہ جو ساری زندگی میں صرف ایک مرتبہ دشمن سے مقابلہ و جنگ کرتا ہے یا شاید کوئی ساری زندگی میں ایک مرتبہ بھی میدانِ جنگ کا مُنہ نہیں دیکھتا ہے وہ اگر مر جائے تو ہم ان کو مملکت کے بہترین فرض شناسوں اور وظیفہ گذاروں میں شمار کرتے ہیں اور ان کے لئے زیادہ سے زیادہ حقوق کے استحقاق کے قائل ہیں۔ لیکن روحانی فوجی کہ جو اپنی تمام عمر کو کفاح و نبرد میں گذار دیتے ہیں اور ہمیشہ دشمنانِ دین کے دفاع اور جہاد میں مشغول ہیں وہ اپنی روزی کیلئے حقوق حاصل نہ کریں۔ تعجّب ہے، نامعلوم یہ بیوقوف آدمی کیا کہتا ہے ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔

ع:۔ شاید کسروی کا مقصد یہ ہو کہ اہلِ علم اور اہلِ منبر اپنے فرائض سے آگاہ نہیں ہیں یا وہ عمل نہیں کرتے اور ان کی طرف سے مذہب و ملک کیلئے کوئی خدمت نہیں دیکھی جاتی ہے۔

ح:۔ یہ ایک دوسرا موضوع ہے۔ البتہ ہر مامور کہ جو اپنے وظیفہ پر

عمل نہیں کرتا وہ حقوق کا مستحق نہیں ہے۔ لیکن کسروی اور اسکے ہمنوا اسلام اور ایمان کے بدخواہ ہیں اور فقہاء و خطباء کے دشمن ہیں۔ وہ یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ دین و ایمان کے بدخواہ کو روحانیوں کا بھی بدخواہ ہونا چاہیئے۔

ہم جب روحانیوں کو مستحقِ احترام سمجھتے ہیں اور حقوق (خمس) کو ان کے مصرف کے لئے حلال جانتے ہیں تاکہ وہ وظائفِ شرعیہ کو پورا کریں اور ان کے تمام اعمال و کام جامعہ کیلئے قربۃً الی اللہ ہوں۔ اگر ایک روحانی شخص اسلام و قرآن کا دفاع کرے اور شب و روز اُمّت کی تربیت میں مشغول رہے لیکن وہ شخصی نظریہ رکھتا ہو اور اس کا مقصد فقط شہرت و ریاست ہو تو اس کیلئے سہم امام علیہ السّلام سے ایک دینار بھی حرام ہے۔

قانونِ تشیّع میں اخلاص و ایمان مناطِ عمل ہے۔ البتہ تن آسان یا ریاست کے طالب مُلّاں ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔ ہم جس جگہ لفظ "روحانی" استعمال کرتے ہیں اس سے خدا پرست اور وظیفہ شناس مراد ہوتا ہے۔ اگر روحانی عواطف ملّی و اخلاق فاضلہ و شریعت کی سرحدوں کی حفاظت اور نوع البشر کی خدمت پیغمبر و امام کی طرح نہ کرے تو وہ روحانی نہیں ہے بلکہ بھیڑ کے لباس میں بھیڑیا ہے۔

ع :- اس مقام پر بعض مؤمنین بھی اعتراض کرتے ہیں ، کہتے ہیں کہ آپ جو روحانیوں کی اقسام کی تعریف فرمارہے ہیں اور ان کی عظمت و اہمیت بتا رہے ہیں ان کے اقدامات اور خدمات کا کچھ نتیجہ بھی نظر آنا چاہیئے ۔ ہم جب کتاب روحانیت کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ صرف قیمتی اور مقدس کتاب ہی نظر آتی ہے ۔ لیکن جب ہم ان کے مصادیق دیکھتے ہیں تو وہ مفہوم سے مطابقت نہیں رکھتے ۔ ہم اپنے علماء اعلام و مدرسین و طلاب اور مبلغین کو سوائے ظاہری اجتماعات اور درس و تدریس کے نام پر حوزہ ہائے علمیہ اور وعظ و خطابت کی تشکیل کے کوئی چیز نہیں دیکھتے ہیں ۔ وہ رات دن کئی مرتبہ آپس میں ملاقات کرتے ہیں اور جُدا ہو جاتے ہیں ۔ لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہیں ہوتا ۔ وہ نہ تو مخالفین کا دفاع کرتے ہیں نہ مسلمانوں کی حفاظت کرتے ہیں ، نہ موحدین کی حمایت کرتے ہیں اور نہ ہی مُشرکین پر حملہ کرنے کی جرأت رکھتے ہیں ۔ اگر وہ پیغمبر کے تالی اور نائب امام ہیں تو کیا وجہ ہے کہ یہ بیچارے جعفری و اثنا عشری حیرت و اختلاف میں باقی ہیں اور بغیر چرواہے کے ریوڑ کی طرح متفرق اور پراگندہ ہیں ۔ اگر علماء روحانیین منظم طور پر لوگوں کو تبلیغ کرتے تو کسروی کی باتیں نوجوانوں پر اثر انداز نہ ہوتیں ۔

ح :- عزیز ! یہ صرف عدم اہتمام و انتظام کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ بیچارے روحانی داخلی و خارجی موانع بھی رکھتے ہیں۔ لیکن ہم اس مقام پر کسی حد تک اعتراض کرنے والوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ یعنی ان اجتماعات اور حوزۂ ہائے علمیہ کے جو فوائد برآمد ہونے چاہئیں تھے ہم ان کے مقصود و مطلوب تک نہیں پہنچ سکے۔ اس مقام پر ہم یہ کہیں گے کہ لوگوں کی اصلاح ضروری ہے۔

وہ توانا، قوی العزم اور قوی الارادہ فقہا و مجتہدین جو محض خداوند عالم کی رضا پر عمل فرماتے ہیں وہ :-

اوّل :- بے عمل واعظین و خطباء۔

دوم :- بد اخلاق اور شکم پرست طلّاب و معمّمین جو روحانیّت کے لئے ننگ و عار ہیں ان کو حوزۂ علمیہ سے باہر نکال دیں اور محصّلین حق پرست اور مؤمنین کے ایک ایسے گروہ کو اصلاحِ ملّت کے لئے تربیّت دیں اور ان کو دشمنوں کے مقابلے میں فنّی آلات سے لیس کریں جو اتحاد کی کوشش کریں اور متحد ہو کر لوگوں کو تبلیغ کریں۔

ھاں ! ہم اگر رقابت کو ختم کر دیں اور شخصیات ہیں نہ اُلجھیں اور اتفاق و اتحاد سے تبلیغِ دین میں مشغول ہو

جائیں تو کسروی اور اس کے ہم خیال مخلص لوگوں کو صراط مستقیم سے
نہیں بھٹکا سکیں گے بلکہ وہ مایوس ہو جائیں گے۔

مبحثِ امامت

ع :- ہم شیعہ کے پاس اثباتِ امامت کی کیا دلیل ہے؟ کہ ہم امامت کو اصولِ مذہب میں شمار کرتے ہیں ۔

ح :- امامت در اصل اصولِ دین میں سے ہے ۔ چونکہ اس پر اہلسنت کا اعتقاد نہیں ہے اس لئے اس کو مذہب امامیہ کے اصول میں شمار کیا جاتا ہے ، اور امام ہماری اصطلاح میں جانشینِ پیغمبر کو کہتے ہیں ۔

ع :- امامت اور جانشینی کس لئے ہے ؟

ح :- تاکہ رحلتِ پیغمبر کے بعد احکام الٰہی ، شریعتِ پیغمبرؐ اور ناموسِ دین اغیار اور جاہلوں کی دست برد اور تغیّر و تبدّل سے محفوظ رہیں ۔

ع :- احکام الٰہی کی حفاظت کے لئے امام کے وجود کی کیا ضرورت ہے ؟ حالانکہ لوگوں نے قوانینِ خداوندی پیغمبر سے سیکھے ہیں اور وہ دوسرے نبی کے آنے تک اپنی اولاد کو تعلیم

دیتے رہتے ہیں۔

ح :- فرزندِ من! جس طرح آپ نے کہا ہے اگر لوگ اسی طرح درستکار اور ایماندار ہوتے تو شاید وجودِ امام کی ضرورت نہ ہوتی۔ لیکن کسی زمانے اور کسی امّت میں بھی اس قسم کے لوگ نہیں تھے۔ حضرت موسیٰؑ صرف چالیس روز بنی اسرائیل کے درمیان سے غیر حاضر ہوئے۔ لیکن سوائے چند لوگوں کے تمام بنی اسرائیل خدا پرستی کو چھوڑ گئے اور سامری کے ورغلانے سے گئوسالہ پرست بن گئے۔ اگر حضرت موسیٰؑ کے بھائی حضرت ہارونؑ کا وجود مبارک نہ ہوتا تو باقی ماندہ لوگ بھی اکثریت کے تابع ہو جاتے اور گوہر موسویت معدوم ہو جاتا۔

کیا تم تمام پیغمبروں کی اُمّتوں کو فرشتے اور معصوم تصوّر کرتے ہو؟

حضرت خاتم الانبیاء علیہ السلام کے اعلان نبوّت کے بعد جو لوگ خلوصِ دل اور ارادۂ مصمّم کے ساتھ ایمان لائے تھے وہ بہت قلیل تھے اور باقی تمام عرب خواہ چھوٹے تھے یا بڑے انہوں نے لالچ یا ڈر کی وجہ سے مسلمان ہونے کا اظہار کیا تھا

یہ بڑے لوگ احکام و قوانینِ اسلام کی پرواہ تک نہ کرتے بلکہ اسلام کو نیست و نابود کرنے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ اور جو قلیل مخلص مومن تھے ان میں اتنی جرأت و طاقت نہیں تھی کہ وہ تمام نازل ہونے والی آیات کی تفسیر اور احکامِ خداوندی کی حفاظت کر سکتے اور دوسرے لوگوں تک احکامِ الٰہی پہنچاتے اور مخالفین کے مقابلے میں کوئی دلیل و برہان لے آتے۔ اسی لئے امام معصوم اور خلیفہ کا وجود ضروری ہے تاکہ وہ ناموسِ دین کی حمایت اور حفاظت کرے۔

اور اسی لئے رسولِ خداؐ کو ایسے افراد کی ضرورت ہے جو اس کے بعد اس کے بلافصل جانشین و حامل لواءِ امامت اور وحی اور علوم الٰہیہ کے محافظ ہوں اور دین و شریعت کے شجر کی آبیاری کریں اور دشمنانِ خدا سے نبرد آزما ہوں۔ لیکن صرف علیؑ و آلِ علیؑ علیہم السّلام ہی ہیں جو ناموسِ دین اور توحید کے محافظ و نگہبان ہیں۔ ان کے بارے میں شیعہ و سنّی کتب میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ ہم ان میں سے کتب اہلِ سنّت سے صرف ایک حدیث کے نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ :-

فی کل خلف من اُمّتی عدول من اھل بیتی ینفون

عن ھذا الدّین تحریف الضّالین و انتحال المبطلین و
تاویل الجاھلین اَلا و انّ ائمتکم وفدکم الی اللّٰہ عزّ و جلّ
فانظروا من توفدون۔

ترجمہ:۔ ہر زمانے میں میری اُمّت میں میرے اہل بیت میں سے عادل ہوں گے جو تحریف ضالین و انتحال مبطلین اور تاویل جاہلین کا دین سے دفاع کریں گے۔ جان لو! کہ تمہارے امام خدا کی طرف تمہارے نمائندے ہیں۔ پس تم دیکھو کہ تم کن کو نمائندے بناتے ہو۔ (یعنی ان آئمہ کو اختیار کرتے ہو یا غیروں کو) ۔ اس حدیث کو ابنِ حجر مکّی نے صواعق محرقہ ص۱۴۸ مطبوعہ مصر میں آیت وقفوھم انّھم مسؤلون کی تفسیر میں تحریر کیا ہے۔

ع:۔ آپ نے فرمایا ہے کہ امام اور جانشین پیغمبرؐ دین اور احکام اسلام کا محافظ ہوتا ہے۔ لیکن اسلام کی سرحدوں اور ظاہری دشمنوں کا دفاع کرنا کس پر فرض ہے؟

ح:۔ یہ بھی امام اور جانشینِ پیغمبرؐ کی ذمّہ داری ہے۔

ع:۔ اگر یہ بھی امام کا کام ہے تو خلفاء بنی اُمیّہ و بنی عباس اور دیگر خلفاء کیا تھے؟

ح:۔ وہ ظالم و جابر تھے اور ان کی حکومت بھی ظلم و تعدّی سے بھرپور

تھی۔ کیا معاویہ و یزید و مروان و ولید و منصور اور متوکّل عباسی کو ان کے مظالم کے باوجود ان کو خلیفۂ پیغمبرؐ کہا جا سکتا ہے؟ لیکن ان فاسق اور ظالم لوگوں کو مسلمان بھی نہیں کہا جا سکتا۔ چہ جائیکہ ان کو خلیفۂ پیغمبر کہا جائے۔

وہ امام جو وصایت و امامت میں من جانبِ خدا و رسُول منصوص ہیں دو جنبہ رکھتے ہیں۔ پہلا جنبہ ظاہری حکومت اور بلادِ اسلام کی سرحدوں کی حفاظت ہے اور دوسرا جنبہ ریاست معنوی و حقیقی اور حقائق کی حفاظت اور رُوحِ دینِ اسلام کا دفاع اور اس کتابِ مقدس یعنی قرآن مجید کی تفسیر اور متشابہات کی تاویل کرنا ہے۔

ع :۔ ان ہر دو جنبۂ خلافت کو واضح تر بیان فرمائیں۔

ح :۔ رسُولِ اکرمؐ اپنے زمانے میں دو وظیفے انجام دیتے تھے۔

وظیفۂ اوّل :۔ وظیفہ تشریع یعنی جو خدا چاہتا ہے اس سے امّت کو آگاہ کرنا اور ان کو احکامِ الہٰی پہنچانا۔ در اصل یہی بہترین وظیفہ تھا۔

وظیفۂ دوئم :۔ یہ ایک ثانوی اور عرضی وظیفہ ہے اور وہ مسلمانوں کو مشرکین کے حملے سے محفوظ رکھنا ہے۔

اسی جہاد یا دفاع کے لئے کبھی مسلمانوں سے صلاح و مشورہ لینے کا حکم بھی آجاتا ہے جیسے خداوندِ عالم فرماتا ہے کہ شاورھم فی الامر۔ لیکن درحقیقت نبوّت و رسالت کا وظیفہ پہلا جنبۂ معنوی و حقیقی ہے جو رُوح بشر کی بیداری و حقائق انسانیّت کی تربیّت اور اخلاقی مقامات کی تکمیل کا نام ہے۔

امام و خلیفہ و جانشینِ پیغمبرؐ بھی طبعاً یہ دو جنبے رکھتا ہے وہ زعیمِ رُوحانی بھی ہے اور قائدِ جسمانی بھی۔ خلیفہ اور امام کو نبی کی طرح دانا و توانا و قوی البرہان اور قوی الایمان ہونا چاہیئے۔ تاکہ کسی مسئلہ کے جواب میں عاجز نہ ہونے پائے اور دین کی حفاظت پر انتہائی درجہ قادر ہو۔ تاکہ دشمنانِ اسلام اپنے اغراض و مقاصد کے لئے احکامِ اسلام کو تبدیل نہ کرنے پائیں ۔ یہ اہم کام بھی خلیفۂ پیغمبرؐ کے فرائض میں شامل ہے۔ اگر شیعہ کے امام جنبۂ روحانیت و محافظت نہ رکھتے ہوتے تو صدرِ اسلام میں ہی اموی حکومت کے دوران، گروہِ مُرتدین و بدخواہانِ دین اور دشمنانِ خدا، احکام و تعلیماتِ رسُولِ خداؐ کو نیست و نابود کر دیتے۔ بلکہ قرآن مجید میں تحریف کر دیتے اور احکامِ جاہلیّت کو دوبارہ لے آتے۔

آئمہ میں سے ہر ایک امام دینِ مبین کی نگہبانی اور اُمّتِ رسُولؐ

کی رہنمائی فرماتا تھا۔ بعض حلم و صبر کے ساتھ اور بعض جنگ و شہادت سے یہ کام انجام دیتے تھے اور اپنی تمام تر قوت و طاقت سے اپنے محبوبؐ کی مقدس یادگار کی دشمنوں سے حفاظت کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اگر خلفاءِ ثلاثہ کے زمانہ میں حضرت علی علیہ السلام کا وجودِ مسعود نہ ہوتا تو بعض احکامِ دین تبدیل ہو جاتے اور کوئی دوسرا رنگ اختیار کر لیتے۔

ع :- دین کی یہ حالت خلفاءِ ثلاثہ کے زمانہ ہی میں کیوں ہوتی ؟

ح :- مجھے ان کے عقائد اور دیگر باتوں سے کوئی سروکار نہیں ہے اور میں نہیں چاہتا ہوں کہ میری اس تحریر میں کوئی فتنہ انگیز بات درج ہو جائے۔ میں صرف یہی کہتا ہوں کہ خلفاءِ ثلاثہ کلّی طور پر احکامِ شرعیہ سے آگاہ نہیں تھے۔ جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے کہ اگر حضرت علیؑ نہ ہوتے تو مجبوراً وہ اپنوں کے لئے فتاویٰ صادر فرما دیتے۔ ایسا ہوتا تو دینِ اسلام میں تغیّر و تبدّل واقع ہو جاتا۔

ع :- یہ بات صرف شیعہ ہی کہتے ہیں یا خلفاءِ ثلاثہ کی عدم واقفیت اور کم علمی کے اہلسنّت بھی معترف ہیں ؟

ح :- اہلِ سنّت تو اہلِ سُنّت رہے کسروی جو شیعہ کا بہت بڑا دشمن ہے اس نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔

ع :- اس نے ماہنامہ پرچم میں اعتراف کیا ہے یا پیمان میں ؟

ح :- مَیں نے پرچم اور پیمان دونوں میں نہیں دیکھا بلکہ کتاب "التشیع والشیعہ" ص۱ سطر۴ میں پڑھا ہے وہ لکھتا ہے :-

فکان (ای عمر) یحترم علیاً و یعظمہ ویستشیرہ فی امورہ ولہ فیہ قولہ المعروف (لولا علی لھلک عمر)۔

ترجمہ :- حضرت عمرؓ حضرت علی علیہ السلام کا احترام کرتے تھے اور ان کی تعظیم کرتے تھے اور اپنے اُمور میں ان سے مشورہ لیا کرتے تھے۔

دیکھ لو ! کہ کسروی خلیفۂ ثانی کی زبان سے کہہ رہا ہے اور خود اس کی صحت کا اعتراف بھی کر رہا ہے کہ "اگر علیؑ نہ ہوتے تو عُمر ہلاک ہو جاتا" یعنی احکامِ قضاوت اور مسائلِ شرعیہ میں اگر حضرت علیؑ خلیفۂ ثانی کی مدد نہ فرماتے تو عُمر اپنی کم علمی و

عدم واقفیت کی وجہ سے ہلاک و رُسوا ہو جاتا۔

ع :۔ خلیفۂ ثانی نے یہ جملہ کن مواقع پر کہا، امورِ سیاست ہیں کہا تھا یا احکامِ شرعیہ ہیں، آیا خلیفۂ اوّل اور خلیفۂ سوم بھی حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کی رائے اور فتویٰ پر عمل کیا کرتے تھے یا صرف خلیفۂ ثانی ہی عمل کیا کرتے تھے؟

ح :۔ خلیفۂ سوم چونکہ اپنوں اور بیگانوں کے مقابلے ہیں دُنیا دار اور مغلوب الغضب تھا۔ اس لئے وہ حضرت علیؑ کے فتوٰی پر عمل نہیں کرنا چاہتا تھا یا نہیں کر سکتا تھا۔ مگر حضرت علیؑ اُن مقامات پر جہاں رُسوائی کا خطرہ ہوتا اس کو وہاں احکامِ خداوندی جاری کرنے پر مجبور کر دیتے تھے۔

امّا خلیفۂ اوّل :۔ جس موقعہ پر وہ خود یا دیگر تمام صحابہ احکامِ شرعیہ ہیں عاجز ہو جاتے تھے تو وہ تکبّر و نخوت کے بغیر وارثِ علمِ پیغمبر کی طرف رجوع کرتے اور جو علیؑ حکم بتاتے اس کو نافذ کر دیا کرتے تھے۔

امّا خلیفۂ ثانی :۔ ہر مشکل مقام پر جہاں وہ جواب دینے سے قاصر رہتے تو باب مدینۃ العلم کو ہی وسیلہ قرار دیتے تھے امورِ سیاست اور احکامِ شریعت دونوں میں ان کی پناہ گاہ اور

مرکزِ اعتماد صرف علیؑ ہی تھے۔

لولا علی لھلک عمر کا تاریخی جملہ اکثر مقامات خصوصاً احکام و قضاوت کے مشکل مقامات پر ان کی زبان سے سُنا گیا ہے۔ چنانچہ ان کا یہ کلمہ بہت ہی مشہور ہے کہ لست قاطعۃً امراً و علیؑ ساکت فیہ کہ جس امر میں علیؑ ساکت و خاموش رہیں میں اس بارے میں قطعی و حتمی فیصلہ صادر نہیں کرتا۔ یہ روایت کتب عامہ و خاصہ دونوں میں موجود ہے اور علماء شیعہ و سُنّی نے تفصیلی طور پر اس کو ذکر کیا ہے۔ یہاں اس کی تفصیل لکھنے کا موقعہ و محل نہیں ہے۔

خلافت و امامت کا یہی عظیم فریضہ ہے کہ وہ محافظِ جنبۂ نبوت و رسالت اور پاسبانِ ناموسِ دینِ الٰہی ہو۔ نبوت و امامت صرف لشکر کشی اور فتوحات کا نام نہیں ہے۔ اگر تبلیغ کے دوران کوئی ایسا موقعہ آجاتا تو رسولِ خداؐ ضمنی طور پر مجبوراً صرف جہاد و دفاع کرتے۔ ورنہ نبوت و رسالت وہی وحیٔ حق کو پہچانا، روحانی بیداری اور انسان کی اخلاقی تربیت کا نام ہے۔

جانشینِ پیغمبر کا بھی وہی فریضہ ہے جو خود پیغمبرؐ کا ہے۔ جانشینِ پیغمبر، پیغمبر کی طرح وحی اور احکام دین کا عالم ہوتا ہے اور پیغمبرؐ کی طرح اُمّت کی تربیت و رہنمائی اور حقائقِ شریعت

کی حفاظت کرتا ہے۔ تمام صحابہ میں اس مفہوم کے مصداق صرف حضرت علیؑ ہی تھے۔ ان کے علاوہ کوئی بھی ان صفات کا حامل نہیں تھا۔

صرف علیؑ ہی وارثِ علمِ پیغمبرؐ تھے

ع :- خلیفۂ ثانی کی گواہی کے علاوہ بھی اس بارے میں ہمارے پاس کوئی دلیل ہے ؟

ح :- "صرف علیؑ ہی وارثِ علمِ پیغمبر تھے" اس بارے میں ہمارے پاس بے شمار دلائل ہیں - علماء و مورخین شیعہ و سُنّی کا اس بارے میں اتفاق ہے - آپ کے لئے کتب اہلِ سنّت سے چند احادیث نقل کرتا ہوں -

حدیث اوّل :- قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

انا مدینۃ العلم و علی بابہا فمن اراد العلم فلیأت الباب

رسولِ اکرمؐ نے فرمایا کہ میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے - جو علم حاصل کرنا چاہتا ہے ، اسے چاہیئے کہ وہ دروازے سے آئے -

اس حدیث کو طبرانی نے ابنِ عباس سے روایت کیا ہے جامع صغیر سیوطی ص۱۰۷ ، مستدرک حاکم جلد سوم ص۲۲۶ اور امام احمد بن محمد بن الصدیق المغربی ساکن قاہرہ نے اس حدیث کی صحت پر

یہ کتاب لکھی ہے جس کا نام "فتح الملک العلی بصحۃ حدیث باب مدینۃ العلم علی" رکھا ہے۔ مطبع اسلامیہ ازہر مصر میں ۱۳۵۴ھ کو شائع ہوئی ہے۔

حدیث دوم

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انا دار الحکمۃ وعلیؑ بابہا۔ رسولِ خدا نے فرمایا کہ میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے۔ (ترمذی شریف)

حدیث سوم

علی باب علمی ومبین من بعدی لامتی ما ارسلت بہ حبّہ ایمان و بغضہ نفاق۔ رسولِ خدا نے فرمایا کہ علیؑ میرے علم کا دروازہ ہے، اور میرے بعد میری اُمّت کو بیان کرنے والا ہے اس چیز کو جو مجھ پر نازل کی گئی ہے۔ علیؑ کی محبّت ایمان ہے اور اس کا بغض نفاق۔ اس حدیث کو دیلمی نے ابوذر سے روایت کیا ہے۔ (کنز العمال ج ۶ ص ۱۵۶)۔

حدیث چہارم

انت تبین لامتی ما اختلفوا فیہ من بعدی۔ رسولِ خدا نے فرمایا کہ اے علیؑ! میرے بعد میری اُمّت جس بارے میں اختلاف کرے گی تو اس کو بیان کرے گا۔ (مستدرک حاکم جلد سوم ص ۱۲۲، کنز العمال ج ۶ ص ۱۵۶)

صاحب "المراجعات" فرماتے ہیں کہ جس شخص نے بھی اس حدیث میں غور و فکر سے کام لیا۔ وہ علیؑ کی منزلت جو خدا و رسولؐ کے نزدیک ہے اس کو جان لے گا۔ خداوند عالم اپنے پیغمبرؐ کو فرماتا ہے کہ

وما انزلنا علیك الكتاب الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیه و ھدی و رحمة لقوم یومنون

ہم نے آپ پر کتاب کو نازل نہیں کیا ہے مگر اس لئے کہ جن امور میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں آپ لوگوں پر اس کو بیان فرمادیں۔ اور رسولِ خداؐ علیؑ سے فرماتے ہیں کہ اے علیؑ! جس بارے میں میرے بعد میری اُمّت اختلاف کرے گی تو اس کو بیان فرمائے گا۔ اس سے حضرت علیؑ کا خلیفہ بلافصل ہونا واضح ہو جاتا ہے۔

حدیث پنجم

علی منّی بمنزلتی من ربّی۔
رسُولِ خدا نے فرمایا کہ علیؑ مجھ سے وہی منزلت رکھتا ہے جو میری اپنے رب کے ساتھ ہے۔

(صواعق محرقہ باب ۱۱ المقصد الخامس آیت ۱۴)

یہ پانچ احادیث اس ثبوت کیلئے کافی ہیں کہ حضرت علیؑ حضرت رسولِ خداؐ کے واحد وارث تھے کسی دوسرے کو حقِ مداخلت نہیں ہے۔

حدیث ششم حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ رسولِؐ خدا نے فرمایا ہے کہ :-

کفی و کف علی فی العدل سواء کہ عدالت میں میرا اور علیؑ کا ہاتھ مساوی ہے۔ (کنز العمال ج ۶ ص ۱۵۳)

حدیث ہفتم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انا المنذر وعلی الھادی وبك یا علی یھتدی المھتدون من بعدی۔

یعنی حضورؐ نے فرمایا کہ مَیں ڈرانے والا ہوں اور علیؑ ہدایت کرنے والا ہے اور اَے علیؑ! میرے بعد ہدایت پانے والے تیرے ہی وسیلہ سے ہدایت پائیں گے۔

(کنز العمال ج ۶ ص ۱۵۷)

حدیث ہشتم قال رسول اللہ من اراد ان ینظر الی آدم فی علمہ والی نوح فی عزمہ والی ابراھیم فی حلمہ والی موسیٰ فی فطنتہ والی عیسیٰ فی زھدہ فلینظر الی علی ابن ابی طالب۔

ترجمہ :- رسولِؐ خدا نے فرمایا کہ جو آدم کو اس کے علم میں نوح کو اس کے عزم میں، ابراہیم کو اس کے حلم میں، موسیٰ کو

اس کی ذہانت میں اور عیسیٰ کو اس کے زہد میں دیکھنا چاہے، پس اس کو چاہیئے کہ وہ علیؑ ابن ابی طالب کی طرف دیکھے۔ (شرح ابن ابی الحدید جلد دوم ص۴۴۹، تفسیر کبیر رازی در معنیٔ آیۂ مباہلہ جلد دوم ص۲۸۸)۔

حدیث نہم وانت اخی و وارثی قال و ما ارث منك قال ما ورث الانبیاء من قبلی کتاب ربّهم و سنّة نبیّهم۔ **ترجمہ:**۔ زید بن ابی اوفی سے روایت ہے رسولِ خداؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے علیؑ! تو میرا بھائی اور میرا وارث ہے۔ حضرت علیؑ نے عرض کیا کہ میں آپ سے کس چیز کا وارث ہوں گا تو رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ کتاب و سُنّت کا جس کے گذشتہ انبیاء وارث ہوئے (مسند احمد بن حنبل)

حدیث دہم واخرج محمد بن حمید الرّازی عن سلمہ الابرش عن ابن اسحاق عن شریك عن ابی ربیعة الایادی عن ابن بریدة عن ابیہ بریدة عن رسول اللہ لکلّ نبی وصیّ و وارث و انّ وصیّ و وارثی علی ابن ابی طالب۔ رسولِ خداؐ نے

فرمایا کہ ہر نبی کا وصی اور وارث ہوتا ہے اور تحقیق میرا وصی اور وارث علیؑ ابن ابی طالب ہے۔

تلك عشرة كاملة

یہ دس حدیثیں جو اکابر علماء اہلِ سُنّت سے مروی ہیں ہمارے مقصود کے اثبات کیلئے کافی ہیں۔ جاہل اور نادان دشمن کے علاوہ ان کا کوئی انکار نہیں کرے گا۔

اب ایک دوسری بات کی طرف توجہ کریں تاکہ مطلب واضح تر ہوجائے۔ حضرت علی علیہ السلام رسُولِ خدا کے بعد خلفاءِ ثلاثہ کے فتویٰ اور قضاوت پر اعتراض کیا کرتے تھے اور وہ بھی بلا چُون وچرا قبول کر لیتے تھے بلکہ وہ خود ہر مشکل کے وقت مجبوراً علیؑ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ لیکن حضرت علیؑ اپنی یا دوسروں کی خلافت کے زمانہ میں احکام وقضاوت اور مسائل کے بیان میں کسی سے بھی نصرت طلب نہیں کرتے تھے اور نہ ہی اپنے قضا و فتویٰ میں کسی کو مداخلت کی اجازت دیتے تھے۔ وہ صرف اپنی رائے اور علم پر ہی عمل فرماتے تھے۔

اسی بنا پر فرمانِ خدا و رسولؐ اور اقرارِ خلفاءِ ثلاثہ اور اعترافِ کسریٰ اس بات کی دلیل ہیں کہ رسُولِ خداؐ کے حقیقی وارث و جانشین حضرت علیؑ ہی تھے۔

پیری
شرطِ خلافت نہیں ہے

ع :- کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر حضرت علیؑ سے بزرگ اور بہتر تھے اور حکومت و خلافت کیلئے لائق و مناسب تر تھے ؟

ح :- ابوبکر حضرت علیؑ سے عمر کے لحاظ سے بزرگ تھے یہ بات تو صحیح ہے لیکن اس امتیاز اور فضیلت کا جواب ابوبکر کے باپ ابو قحافہ نے دیا ہے۔ "جس وقت ابوبکر نے اپنے باپ کو لکھا کہ مسلمانوں نے مجھے بڑا ہونے کی وجہ سے خلیفہ بنا لیا ہے تو ابو قحافہ نے جواب دیا کہ اگر بزرگی شرطِ خلافت ہے تو میں تیرا باپ ہوں اور تجھ سے بھی بڑا ہوں مجھے مسلمانوں نے خلیفہ کیوں نہیں بنایا۔"

اگر ابو قحافہ یہ بات نہ بھی کہتے تو صاحبانِ عقل و فہم اس بات کی گواہی دیتے کہ سبب تقدم اور شرطِ خلافت بزرگی نہیں ہے۔

یہ کہ "ابوبکر حکومت و خلافت کے لئے لائق و مناسب تر تھے"۔ کیا رسولِ خدا کے زمانے میں ابوبکر کی لیاقت ملاحظہ نہیں کی گئی کہ کئی مرتبہ سردارِ لشکر بنے اور خیبر اور دوسری جنگوں میں مغلوب اور فرار

واپس لوٹے۔ لیکن حضرت علیؑ تمام غزوات میں کامیاب و کامران ہوئے اور کسی موقعہ پر کسی نے بھی علیؑ کی عدمِ تدبیر و عدمِ لیاقت ملاحظہ نہیں کی۔

ہاں! ایک روز سورۃ برأۃ کی چند آیات دربارۂ مشرکین نازل ہوئیں اور یہ واجب قرار دیا گیا کہ ان آیات کو قریشِ مکہ کے سامنے پڑھا جائے۔ رسولِ خدا نے اس فریضہ کو ابوبکر کے سپرد کیا اور ابوبکر چند آدمیوں کو لے کر مکہ مکرمہ کی طرف چلے۔ اگر حضرت ابوبکر اس اہم کام کو انجام دے دیتے تو ممکن ہے ان کی بزرگی معتبر ہو جاتی اور ان کی خلافت کے لئے ایک آدھ دلیل بھی مل جاتی۔ لیکن خداوند عالم کو یہ منظور نہیں تھا اور اس پیر مرد کو واپس بلانے کیلئے جبرائیل کے ذریعہ اطلاع دی کہ اے میرے حبیبؐ ان آیات کو یا آپ بت پرستوں تک پہنچائیں یا اپنے اہل بیت میں سے کسی ایک فرد کو بھیجیں کسی دوسرے کو اس میں حقِ مداخلت نہیں ہے۔ پیغمبرِ اکرمؐ نے اپنے پسرِ عم حضرت علیؑ کو اس کے لئے نامزد فرمایا۔ علیؑ ابوبکر کو راستہ میں جاکر ملے اور آیاتِ الٰہی کو ابوبکر سے لیکر اپنی تحویل میں لیا اور ان آیات کو عربوں کے بہت بڑے اجتماع میں سنا کر واپس مدینہ تشریف لے آئے۔

یہ واقعہ تاریخ اسلام میں شیعہ سنی کتب میں موجود ہے اس میں

کسی شک و تردید کی گنجائش نہیں ہے۔

عزیزِ من! جو بزرگ چند آیاتِ قرآنی پہنچانے کے قابل نہیں ہے وہ خلافت جیسے عظیم الشّان مرتبے پر کیسے فائز ہو سکتا ہے؟ حضرت علیؑ کو ان آیات کی تلاوت کے لئے بھیجنا علیؑ کی خلافت و بزرگی کی بیّن و واضح دلیل ہے۔

عزیزم! غور و فکر سے کام لیتے ہوئے حقائق کی طرف نگاہ کرو۔ علم و حلم، زہد و تقویٰ، ایمان و کرم، شجاعت و عبادت اور دیگر جملہ اخلاقِ فاضلہ ہی بزرگی و فضیلت کی علامات اور نشانیاں ہیں۔ نہ معلوم ان تمام صفات میں سے وہ لوگ کونسی صفت کے مالک تھے۔ اگر ان میں یہ صفاتِ حسنہ موجود تھیں تو وہ کون تھا جو علی سے بڑھ کر فضیلت کا مالک تھا۔ اگر ان کو دنیا پر ظاہر کر دیا جائے تو کسی حد تک اختلافات کا سدِّ باب ہو سکتا ہے۔

یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حضرت علیؑ وارثِ علمِ پیغمبرؐ تھے جس کو علمِ الٰہی ہوگا وہ مظہرِ صفاتِ حق بھی ہوگا۔ اس بارے میں صرف شیعہ علیؑ کی فضیلت پر متفق ہیں۔ اما اہلِ سنّت کی ایک حدیث یاد آئی ہے جو تمام تنازعات کو ختم کر دیتی ہے اور علیؑ کی بہتری و برتری کو صراحتاً ثابت کرتی ہے۔ خدائے متعال قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ الّذین آمنوا

وعملوا الصالحات اولئك هم خیر البریۃ (سورۃ البینۃ)

یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کئے ہیں وہ بہترین لوگ ہیں۔ صواعقِ محرقہ میں ابنِ حجر مکی نے اس بات کو درج کیا ہے کہ یہ آیت علیؑ و آلِ علی علیہم السلام کے حق میں نازل ہوئی ہے اور اس نے اس آیت کو ان کی فضیلت کی آیات میں شمار کیا ہے۔

چونکہ یہ نص ہے اسلئے نص کے مقابلہ میں اجتہاد کرنا غلط ہے۔

عقل و نقل پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ فضیلت و کرامت و ایمان اور جملہ اخلاقِ فاضلہ کے مالک صرف علیؑ ہیں کوئی دوسرا اس پر قیاس نہ کرے۔ حضرت علیؑ ہر حال میں آقا و سردار ہیں اور دوسرے تمام لوگ ان کے تابع اور ان کی رعیت ہیں۔

حاکمیّت ربّانی کے
شرائط

اَب جبکہ آپ گوہرِ تشیّع اور مطلبِ حقیقی سے اچھی طرح مطلع و آگاہ ہو گئے ہیں تو تمام اشکالات و اعتراضات کا خود بخود قلع قمع ہو جاتا ہے۔

اب ایک دوسری بات قرآن و عقل سے (قرآن و عقل ایک دوسرے کی تصدیق بھی کرتے ہیں) نقل کرتا ہوں تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ اگر خلافت وہی خلافت ظاہری ہی ہوتی تو حضرت علی علیہ السّلام خلیفہ ہوتے اور حق جانشینی اور اسلام کی باگ ڈور علیؑ کے ہاتھ میں ہوتی۔

عزیزم! غور سے سنو! جب بنی اسرائیل نے دوسرے لوگوں کے اقتدار و سلطنت کی وجہ سے اپنی ذلّت و رسوائی کا مشاہدہ کیا تو اُنھوں نے رنجیدہ خاطر ہو کر اپنے زمانے کے نبی کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے پناہ حاصل کی تاکہ وہ نبی خداوند عالم سے ان کی آزادی و استقلال کی دُعا کرے اور ان کی حکومت قائم ہو جائے پیغمبر نے خداوند عالم سے التجا کی تو وہاں سے جواب آیا کہ ان اللّٰہ قد بعث لکم طالوت

ملکاً۔ تحقیق خدا نے تمہارے لئے طالوت کو حاکم و بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔ چونکہ بنی اسرائیل ہمیشہ اعتراض کرنے کے عادی تھے لہٰذا انہوں نے اپنی عادت کے مطابق اعتراض کیا کہ ہم پر طالوت کو حکومت کرنے کا کیا حق ہے۔ چونکہ اس کے پاس مال و دولت نہیں ہے اور نہ ہی صاحب ثروت خاندان میں سے ہے۔

پیغمبر نے خداوند عالم کی طرف سے جواب دیا کہ ان اللہ اصطفاہ علیکم وزادہ بسطۃ فی العلم والجسم۔ تحقیق خداوند عالم نے اس کو تمہارے لئے چُن لیا ہے اور علم و جسم میں اس کو زیادتی عطا فرمائی ہے یعنی حاکم اور بادشاہ ہونے کی شرط صرف عقلمندی اور شجاعت ہے اور طالوت تم تمام سے عقلمند اور شجاع تر ہے اور ایک شخص میں ان دو صفات کا پایا جانا اسکی حکمرانی کیلئے کافی ہے۔

حضرت علیؑ کے احاطہ علم و دانش کا ثبوت پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔ آیات و احادیث بھی اس کی شاہد ہیں۔ لیکن ان کی شجاعت و بہادری کیلئے الحمد للہ کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ تمام جنگوں میں کفر و اسلام کے جنگجوؤں بہادروں نے بھی اس کی گواہی دی ہے۔ دوست و دشمن سب نے ان کی شجاعت کا اعتراف کیا ہے۔ اکثر موقعوں پر جب تمام مسلمان حتیٰ کہ خلفاءِ ثلاثہ اپنی جان کے خوف سے فرار اختیار کر جاتے تو صرف حضرت علیؑ ہی تھے

جن کا دل پاک اور ایمان خدا و رسولؐ سے بریز تھا اور دشمنوں کے مقابلے میں پہاڑ کی مانند ثابت قدم رہتے تھے اور شعلۂ آتش کی طرح حملہ کر کے بڑے بڑے لشکروں کو پسپا کر دیتے تھے۔ اس وقت جب ضعیف الایمان مسلمان اپنی جان کی حفاظت کی خاطر اپنے گھروں یا بلند پہاڑوں پر پناہ لیتے تو صرف یہی مردِ خدا تھے جو پیغمبر خدا اور دینِ خدا کی حفاظت کرتے تھے۔ کیا مسلمان رسولِ خدا کے بعد ایسے قوی الایمان خلیفہ کے محتاج نہیں تھے؟ کون عقلمند ہے جو دانشمند اور بہادر شخص کے علاوہ کسی دوسرے کا انتخاب کریگا۔ آیا کوئی شخص صرف پیری اور طولانی عمر کی وجہ سے حقدارِ خلافت ہو سکتا ہے؟

اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ خداوند عالم نے خلافت کا اختیار مسلمانوں کو دیدیا ہے جیسا کہ لوگ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ "وامرھم شوریٰ بینھم"۔ ہم کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے یا تو اشتباہ کیا ہے یا پھر دانستہ علیؑ کے حق کو غصب کرنیکی کوشش کی ہے۔ کیونکہ اس آیت کا تعلق امرِ خلافت سے نہیں ہے بلکہ یہ آیت اہم امور میں دانشمند لوگوں سے مشورہ لینے کے بارے میں ہے۔ علاوہ بریں خلافتِ خلفاءِ ثلاثہ شوریٰ کا مسئلہ نہیں تھا بلکہ یہ جبر و تشدد کا نتیجہ تھا۔ خلافتِ حضرت ابوبکر صرف سات آٹھ آدمیوں کے اتفاق و طاقت کا نتیجہ تھی۔ حالانکہ مسلمانوں کی اکثریت

اس شوریٰ سے لاعلم تھی۔ حضرت عمرؓ بھی ظاہراً ابوبکر کی نص سے تختِ خلافت پر متمکن ہوئے۔ حضرت عثمان نے بھی عبدالرحمٰن بن عوف کی موافقت سے (جن کو عثمان نے ہی اراکینِ شوریٰ میں شامل کیا تھا) کرسئی خلافت کو حاصل کیا۔ اموی و عباسی خلافت کو بھی سوائے حکومت و طاقت کے کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ تعجب ہے کہ عام مسلمان تو خلیفہ و جانشین کا انتخاب کر سکتے ہیں لیکن خود پیغمبرؐ کو اپنا وصی و جانشین کے انتخاب کا حق نہیں ہے۔

جب حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر کی نص سے خلافت کو قبول کیا تھا تو اس وقت کسی نے یہ جملہ نہیں کہا کہ ہمیں کتاب اللہ ہی کافی ہے۔

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

رسولِ خدا کی رحلت

اور

فریانِ اُحد

ع :۔ اس مقام پر کسروی ایک اہم اعتراض کرتا ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ ہزار ہا مسلمانوں کا ایک دم مُرتد ہو جانا ناممکن ہے اس بات کو عقل تسلیم نہیں کرتی ۔ حالانکہ مسلمان پیغمبر خدا پر ایمان لائے تھے ۔ اس کی راہ پر اپنی جان و مال کی پرواہ تک نہ کی ، یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ اپنے محبوب کی اطاعت اور حکم سے روگردانی کرتے ؟ اگر رسولِ خدا نے علیؑ کے بارے میں کچھ فرمایا ہوتا تو وہ یقیناً نافرمانی نہ کرتے اور علیؑ کے بجائے ابوبکر کا انتخاب نہ کرتے ؟

ح :۔ اے کسروی ! نور و ظلمت کے پیدا کرنے والے خدا نے ذرّہ برابر بھی تجھے فہم و فراست عطا نہیں فرمائی ۔ اس جماعت نے احکام خدا و رسولؐ کو رسولؐ کی وفات کے بعد کوئی وقعت ہی

نہیں دی تھی - یہ وہی لوگ تھے جو بلا استثناء جنگِ اُحد میں پیغمبر خدا اور دینِ خدا کو دشمنوں کے سامنے چھوڑ کر بھاگ گئے تھے اور مدینہ کے پہاڑوں پر جا کر پناہ حاصل کی اور میدانِ اُحد میں محمدؐ و خدائے محمدؐ اور دینِ محمدؐ کی نصرت و مدد کے لئے سوائے علیؑ ابن ابی طالب کے کوئی نظر نہیں آتا تھا اور وہی مسلمان اطمینان وسکون کے ساتھ پہاڑ کی بلندی پر بیٹھ کر میدانِ اُحد کا نظارہ کرتے تھے - دشمنانِ اسلام نے پیغمبرِ اسلام اور علیؑ پر حملہ کر کے ان کو قتل کرنے کی کوشش کی تو کسی مسلمان کی رگِ حمیّت و غیرت نہیں پھڑکی اور نصرتِ حق کیلئے کسی نے بھی قدم آگے نہیں بڑھایا - لیکن حضرت علیؑ اسد اللہ الغالب نے جرأت و بہادری کی مثال قائم کرتے ہوئے ایک لشکر شکن حملہ کر کے دشمنوں کی صفوں کو منتشر کر دیا - تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ آسمان سے ایک ندا آئی جس کو دوست و دشمن ہر ایک نے سُنا - وہ ندا یہ تھی کہ :- لا فتیٰ الّا علی لا سیف الّا ذو الفقار

جنگِ اُحد کے علاوہ جنگِ حنین میں بھی جب دشمنوں نے حملہ کیا تو یہ لوگ فرار ہو گئے تھے اور اپنے محبوب پیغمبرؐ کو دشمنوں میں تنہا چھوڑ گئے - اس وقت بھی علیؑ ابن ابی طالب کی ذات ہی تھی جس نے مسلمانوں کو اس خطرہ سے نجات دلائی -

رسولِ خداؐ کی رحلت کے بعد میدانِ اُحد کا منظر دوسرے

رنگ میں ظہور پذیر ہوا یعنی رسولِ خدا کے جسدِ اطہر کو غسل دینے کے لئے گھر میں حضرت علیؑ تنہا رہ گئے اور فراریانِ اُحد اپنے مقصد کی حفاظت کے لئے سقیفۂ بنی ساعدہ میں جمع ہو گئے اور اپنے محبوب کو غسل دینے کی زحمت بھی گوارا نہ کی۔

صاحب انصاف و بصیرت کے لئے لازم ہے کہ وہ حقائق کا بغور مطالعہ کرے۔ وہ حسد اور کینہ جو شیعوں کے لئے کسروی کے دل میں ہے اس نے اس کی بصارت کو زائل کر دیا ہے، اس لئے وہ حق بات نہ لکھ سکتا ہے اور نہ کہہ سکتا ہے۔ ورنہ صاحبانِ عقل جانتے ہیں کہ حق صرف اور صرف حضرت علیؑ کے ساتھ ہے۔

اجتہاد دربرابرِ نص

ع :- تمام مسلمان خدا و رسولؐ کے کسی دوسرے حکم کا انکار کیوں نہیں کرتے تھے صرف علیؑ کے بارے میں کیوں مخالفت کرتے تھے؟

ح :- اوّل :- ہم نے کہا ہے کہ مخالفتِ علیؑ بدر و حنین کا کینہ تھا کیونکہ تمام قریش اپنے سینوں میں ذوالفقارِ علیؑ کے اثر کا داغ رکھتے تھے اور ابھی تک ان کے دلوں میں آثارِ جاہلیّت باقی تھے۔ حتیٰ کہ بعض مسلمان جو صحابۂ پیغمبرؐ کی نسبت حُسنِ ظن رکھتے تھے وہ کہتے تھے کہ "حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ ہی بحکم نص و استحقاق خلافت کے حق دار تھے"۔

اور اگر حضرت علیؑ کی خلافت کو تسلیم کر لیا جاتا تو کُلّی احتمال تھا کہ ارکانِ دعوتِ اسلامی میں تزلزل واقع ہو جاتا اور رداعذارانِ قریش اور بزرگانِ عرب حضرت علیؑ سے بُغض و عداوت کی وجہ سے اس کا انکار کر دیتے اور دوبارہ خانہ جنگی شروع ہو جاتی اور اسلام زمانۂ جاہلیّت کی طرف پلٹ جاتا یا ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ لہٰذا حضرت ابوبکر پر چونکہ تمام لوگ خوش تھے وہ معمر بھی تھے

اور اُنہوں نے کسی کا خون بھی نہیں بہایا تھا اس لئے اُنہوں نے خلافت کے لئے ان کا انتخاب کیا۔ حتیٰ کہ اس فلسفہ کی حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں عبداللہ بن عباس کے سامنے بھی یہی تشریح کی تھی۔

دوم: ۔ یہ مخالفت صرف علیؑ کے ساتھ نہیں تھی بلکہ وہ بیشتر مقامات پر فرمانِ خدا و رسولؐ کا انکار کرتے تھے اور نصِ الٰہی کے مقابلہ میں اجتہاد کیا کرتے تھے۔

جن جن مقامات پر اُنہوں نے فرمانِ خُدا و رسولؐ کی مخالفت کی بطور نمونہ چند مواقع کا ذکر کرتا ہُوں تاکہ اہلِ انصاف اس سے آگاہ ہو جائیں۔

حضورؐ نے جیش اسامہ بن زید کو جلد از جلد روانگی کا حکم دیا تھا اور اس پر اصرار بھی کیا تھا۔ لیکن ان لوگوں نے رسُولِ خدا کی بیماری کے بہانے سے تاخیر کر دی اور اس قدر تاخیر کی کہ رسُولِ خدا رحلت فرما گئے اور آخر کار وہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ امارتِ اسامہ کے بارے میں اُنہوں نے رسُولِ خُدا پر اعتراض کیا کہ وہ ناتجربہ کار نوجوان ہے اور حقِ امارت نہیں رکھتا ہے۔ بعض لوگوں نے رحلتِ پیغمبرؐ کے بعد ابوبکر سے اصرار کیا تھا کہ جیش

اسامہ کو معزول کر دیں۔

رسولِ خدا نے بسترِ بیماری پر اپنی زندگی کے آخری وقت قلم دوات اور کاغذ طلب کیا۔ تاکہ خلافت کے بارے میں یا بعض اہم اُمور کے بارے میں لکھ کر اُمت کے حوالے کر دیں۔ عُمر نے اسی جگہ مخالفت کی اور پیغمبرِ خدا کی طرف ہذیان اور سرسام کی نسبت دی کہ ان کو ہذیان اور سرسام ہو گیا ہے (نعوذ باللہ) اور بعض لوگوں نے حضرت عُمر کے اس قول کی تصدیق بھی کی تھی۔

صُلح حدیبیہ میں حضرت عُمر نے اعلانیہ مخالفت کی تھی۔ حتیٰ کہ اس نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ "جیسا مجھے نبوّت میں آج شک واقع ہوا ہے اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا"۔ جنگِ اُحد میں مسلمانوں کے پیچھے چند آدمی گھاٹی کے محافظ و نگران تھے۔ اکثر لوگ اس گھاٹی کو چھوڑ کر مالِ غنیمت کی طرف دوڑ پڑے اور لشکرِ اسلام کی شکست کا سبب بنے۔

اُنہوں نے آلِ محمدؑ علیہم السلام کے بارے میں صرف امرِ خلافت میں ہی فرمانِ خدا و رسُولؐ کی مخالفت نہیں کی بلکہ دوسرے احکامِ الٰہی کی بھی مخالفت کرتے رہے۔

خداوندِ عالم قرآن مجید میں فرماتا ہے قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ۔ اے میرے حبیبؐ! مسلمانوں

کو کہہ دو کہ میں تم سے اس نبوت و رسالت پر کوئی اجر نہیں مانگتا سوائے اپنے قریبیوں کی محبّت کے یعنی علیؑ اور فاطمہؑ اور ان کی اولاد سے دوستی و محبت رکھو۔ اس واضح نص اور فرمانِ قرآن کے باوجود بجائے دوستی اور نیکی کے اُنھوں نے فاطمہؑ سے فدک چھین لیا اور ہزار مہینہ تک برسرِ منبر اور نمازوں میں علیؑ کو گالیاں دیتے رہے حضرت امام حسن علیہ السّلام کو زہر دی۔ خامسِ آلِ عبا حضرت امام حسین علیہ السلام کو ان کی اولاد و اطفال اور اصحاب کے ساتھ میدانِ کربلا میں شہید کر دیا اور اہل بیتِ عصمت و طہارت پر اتنے ظلم و ستم کئے کہ تاریخ کا مطالعہ کرنے والا قیامت تک آنسوؤں کی بجائے خون روئے گا۔

حضرت علیؑ

خلافت کو ہمیشہ اپنا حق سمجھتے تھے

ع :۔ کسروی کہتا ہے کہ حضرت علیؑ نے بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح برضاد رغبت خلافتِ ابوبکر کو قبول کیا اور اس کی بیعت کی۔ جو کچھ شیعہ کہتے ہیں اس کی کوئی اصلیّت وحقیقت نہیں ہے۔

ح :۔ کاش! ایسا ہی ہوتا اور ہم ان عار و ننگ واقعات کو نہ پڑھتے یہ ہماری بدبختی ہے کہ تاریخ کے صفحات اس دور کے غم انگیز واقعات سے پُر ہیں۔ ابن عبدربہ جو اہلِ سُنّت کے مشاہیر علماء میں سے ہیں اپنی کتاب عقد الفرید جلد سوم صفحہ ۶۳ میں تحریر فرماتے ہیں :۔

ومن الّذین امتنعوا من بیعۃ ابی بکر علی بن ابی طالب و عباس بن عبد المطلب و زبیر بن عوام فجمعوا فی دار علیٍّ فذھب عمر بن خطاب الیٰ باب علیٍّ ولم یجبہ فقال عمر لعصابتہ علی بقبس نار فقالت فاطمۃ یا عمر أتحرق بیتی ؟

ترجمہ:- جن لوگوں نے ابو بکر کی بیعت کرنے سے انکار کیا وہ علیؑ ابن ابی طالب، عباس ابن عبدالمطلب اور زبیر ابن عوام تھے پس وہ علیؑ کے گھر جمع ہوئے۔ عمر دروازہ علیؑ پر گیا تو علیؑ نے کوئی جواب نہ دیا۔ عمر نے اپنے آدمیوں کو کہا کہ آگ لے آؤ، جناب فاطمہؑ نے فرمایا کہ اے عمر! کیا تو میرے گھر کو آگ لگانا چاہتا ہے؟

نیز محمد وجدی نے دائرۃ المعارف جلد سوم صفحہ ۷۵۸ مادہ خلافت میں علیؑ کا بیعتِ ابو بکر سے انکار کرنا لکھا ہے۔

امتنع علی بن ابی طالب وجماعۃ عن بیعۃ ابی بکر فذھب الیھم عمر فی عصابہ فیھا اسید بن حضیر وسلمۃ بن ابراھیم وغیرہ فحمل زبیر بسیفہ فقال علیکم بالرّجل فوثب علیہ سلمۃ واخذ السّیف واخذ علی الی ابی بکر لیبایع فحاج علی فقال ابو بکر لا اکرہ فقال عمر انکؑ لست متروکًا حتی تبایع فقال علی احلب حلبالکؑ

شطرہ وشد دہ بردد ہ عندا۔

ترجمہ :۔ حضرت علیؑ اور ایک جماعت نے بیعتِ ابوبکر سے انکار کیا تو عمرؓ چند آدمیوں کو ساتھ لے کر ان کے پاس گیا۔ ان لوگوں میں اسید بن حضیر اور سلمہ بن ابراہیم بھی تھے۔ زبیر نے تلوار سے ان پر حملہ کیا، سلمہ نے چھلانگ لگا کر چھین لی۔ حضرت علیؑ پکڑ کر ابوبکر کے پاس لے جائے گئے تاکہ وہ ابوبکر کی بیعت کریں۔ حضرت علیؑ نے انکار کیا تو ابوبکر نے کہا کہ میں جبر و اکراہ نہیں کروں گا۔ عمرؓ نے کہا اے علیؑ! جب تک تو بیعت نہیں کرے گا میں تجھے نہیں چھوڑوں گا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اے عمرؓ! اُسی چیز کو اختیار کر جو تیری قسمت میں ہے اور اس کو مضبوطی سے پکڑ لے کیونکہ وہ چیز کل تجھے واپس لوٹائی جائے گی۔

عقد الفرید جلد سوم میں علامہ ابن عبد ربہ روایت کرتا ہے کہ خلیفۂ اوّل اپنے آخری وقت افسوس سے کہتے تھے کہ بعض کام جن کا میں نے اقدام کیا ہے کاش وہ نہ کرتا اور بعض کام جو نہیں کئے کاش ان کیلئے اقدام کرتا۔

اوّل :۔ یہ کہ کاش میں رسُولؐ اللہ سے پوچھ لیتا کہ مستحقِ خلافت کون ہے؟

دوم وسوم :- فلاں اور فلاں شخص کو میں نے باہر نہیں نکالا ، کاش میں ان کو نکال دیتا

چہارم :- کاش ! حضرت علیؑ سے بیعت لینے کیلئے فاطمہؑ کے گھر اپنا کوئی آدمی نہ بھیجتا -

پنجم :- کاش ! فاطمہؑ کو فدک دے دیتا غصب نہ کرتا -

(از کتاب تاریخ آلِ محمدؐ بہلول بہجت آفندی حنفی -

ان احادیث کے راوی اہلِ سُنّت کے مشاہیر علماء ہیں ان روایات کو نقل کرنے کا مقصد شیعہ سُنّی کے درمیان عداوت ومنافرت پیدا کرنا نہیں ہے - صرف اسلئے نقل کی ہیں تاکہ ہمارے نوجوان ان کے جھوٹ اور اپنے علماء کی سچائی سے بے خبر نہ رہیں - اور اس سے صرف مذہب شیعہ کا دفاع مقصود ہے -

پیغمبرِ خدا اور ہذیان

ع:۔ آپ نے فرمایا ہے کہ خلیفہ دوم نے رسولِ خدا کی طرف ہذیان اور سرسام کی نسبت دی ہے اور کسروی کہتا ہے کہ جو شخص مریض ہوتا ہے اس کو ہذیان اور سرسام بھی ہو سکتا ہے۔ کسروی نے اس بات میں عمرؓ کے قول کی تصدیق ہے۔

ح:۔ خداوند عالم قرآن مجید میں فرماتا ہے وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ کہ پیغمبر جب تک پیغمبر ہے وہ جو بات بھی کہے وحی ہوتی ہے اور خدا اس کو ہذیان و سرسام سے محفوظ رکھتا ہے۔ کیا رسولِ خدا نبوت سے معزول ہو گئے تھے یا ان سے عصمتِ الٰہی قطع ہو گئی تھی کہ وہ بے ربط باتیں کرتے تھے؟ پیغمبر کی طرف ہذیان کی نسبت دینا سراسر جہالت و نادانی ہے۔

ع:۔ حقیقتاً دونوں نے اشتباہ کیا ہے اور مقامِ رسالت میں جسارت کی ہے۔ لیکن پیغمبرِ خدا نے قلم دوات و کاغذ طلب فرمایا

تو خلیفۂ ثانی نے کہا کہ ہمارے لئے خدا کی کتاب کافی ہے اور ہم رسولِ خداؐ کے نوشتہ کے محتاج نہیں ہیں۔ کسروی نے بھی عمر کی اس گفتار کی صحت کا اقرار کیا ہے۔ آپ کیا فرماتے ہیں، کیا تمام مسلمانوں کیلئے قرآن کافی نہیں ہے؟

ح :- بیشک قرآن مجید تمام مسلمانوں کے لئے کافی ہے اور لوگ جس چیز کے محتاج تھے اس کو بیان فرما دیا ہے اور ہمیں بھی اس کے احکام کی اطاعت کرنی چاہیئے۔ ان جملہ احکام میں سے ایک حکم یہ آیت بھی ہے۔ ما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا۔ یعنی میرا پیغمبر جو کچھ تمہیں دے دے لو اور جس چیز سے تمہیں منع کرے رک جاؤ۔ حتماً یہ آیاتِ قرآنی کے علاوہ کے متعلق فرما رہا ہے اور اس سے مراد اوامر و نواہی ہیں جن کا ظاہرِ قرآن سے استنباط نہیں کیا جا سکتا۔

وہ احکام جن کی پیغمبرِ اکرمؐ کو وحی ہوتی تھی کبھی عنوان کلام الٰہی سے ہوتی تھی کہ لفظ اور معنی دونوں مراد ہوتے تھے اور قرآن مجید میں شامل ہو جاتے تھے اور عین کلماتِ وحی کو کمی و زیادتی کے بغیر لکھتے تھے۔ لیکن اغلب مقصودِ خدا معانی ہوتے تھے اور رسولِ اکرمؐ اس وحی و الہام کو مسلمانوں کیلئے ترجمہ فرما دیتے تھے۔ مثلاً خداوند عالم

قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ واقیموا الصلوٰۃ و آتوا الزکواۃ
رسولِ خدا اس آیت کی تفسیر میں نماز کے مقدمات و مقارنات و
شروط و ارکان و اوقات و واجبات و مبطلات و شک اور
سہو و نسیان کے احکام کی لوگوں کو تعلیم دیتے تھے اور زکواۃ کی تفسیر
میں غلاتِ اربعہ کی تفصیل و اونٹ و گائے و گوسفند اور سونے و چاندی
اور ان کے نصاب اور شرائط کی لوگوں کو تعلیم دیتے تھے اور اسی طرح
لوگ دوسرے احکام یعنی روزہ و حج و خمس اور جہاد وغیرہ کے
بارے میں بھی رسولِ اکرمؐ کی تفسیر کے محتاج تھے۔ پس قرآن کی نص ہے
کہ احکام امر و نہی کی تفسیر و تفصیل میں جو کچھ بھی رسولِ خداؐ فرمائیں ہمیں
بلا تردید اس کو قبول کر لینا چاہیئے۔

اب ہم مسئلہ ولایت و خلافت کی طرف آتے ہیں۔ غدیر خم میں خدا
کی طرف سے جبرائیل یہ حکم لے کر آیا یا ایھا الرسول بلّغ ما
انزل الیك من ربّك کہ اے میرے رسولؐ! وہ چیز پہنچا
جو تیری طرف تیرے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔

یہ کتنا سخت حکم اور امر مہم تھا کہ خدا تہدید آمیز الفاظ میں
فرماتا ہے۔ و ان لم تفعل فما بلّغت رسالته کہ اگر
تُو نے یہ کام نہ کیا تو گویا تُو نے رسالت کی تبلیغ ہی نہیں کی۔ یعنی

تیری تمام گذشتہ تبلیغ بے ثمر و بے نتیجہ ثابت ہو گی ۔ اور کیسا خطرناک حکم تھا کہ خدا فرماتا ہے واللہ یعصمک من الناس کہ اور خدا تجھے اُن لوگوں سے بچائے گا یعنی خوف نہ کر خداوند عالم تجھ کو اُمت کے حاسدوں اور رقیبوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

یہ آیت تفسیر و تشریح کی محتاج ہے ۔ وہ یہ کہ حضرت رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی سرزمین غدیرِ خم پر علیؑ کی خلافت و ولایت کی تبلیغ فرمائی اور متعدد مقامات پر اس کی تاکید بھی فرمائی ہے ۔ چونکہ دشمنانِ علیؑ بہت زیادہ تھے اور عاشقانِ خلافت بھی زیادہ تھے ۔ وہ لوگ اس زبانی تبلیغ کا انکار نہیں کر سکتے تھے اور نہ ہی اس کو تبدیل کر سکتے تھے ۔ وہ یہ کہ رسُولِ خداؐ بسترِ بیماری پر جب زندگی کی تلخ گھڑیاں گذار رہے تھے تو قلم دوات و کاغذ طلب فرمایا ۔ تاکہ تحریری طور پر اپنے خلیفہ کا تعارف کرا دیں اور اہم حکمِ الٰہی کی تبلیغ کر دیں یا للعجب ! کیا یہ موقعہ تھا کہ کوئی کہہ دے کہ ہمیں خدا کی کتاب کافی ہے اُنہوں نے نماز، روزہ، حج، زکواۃ اور خمس کی تفسیر کے وقت یہ جملہ کیوں نہیں کہا تھا ؟

ع :- کسروی کہتا ہے کہ کیا معلوم رسُولِ خداؐ نے کاغذ و قلم تعیینِ خلیفہ کیلئے طلب فرمایا تھا ؟ شاید ان کا کوئی دوسرا مطلب ہو ؟

ح:۔ حضرت رسولِ اکرمؐ نے فرمایا کہ کاغذ و قلم لے آؤ۔ تمہارے لئے ایک ایسی چیز لکھ دُوں تاکہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہو جاؤ۔ اس حدیث کو شیعہ و سُنّی راویوں نے اسی طرح لکھا ہے۔ اس کلمہ کی قید" تاکہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہو جاؤ" پیغمبرِ خداؐ کے مقصد کو واضح کرتی ہے۔ وہ اہم امر خلافت ہی ہے جو تمام لوگوں کو شاہراہِ حقیقت پر گامزن رکھتا ہے اور گمراہی سے روکتا ہے۔ شیعہ و سُنّی کی جنگ، بنی اُمیّہ و بنی عباس کے مظالم اور بصرہ و نہروان کے واقعات یہ سب خلافت کی وجہ سے ہی تھے۔ اس کی ہر شخص اپنے لئے ہی تاویل کرتا ہے۔ اگر رسولِ خداؐ کی محکم تحریر ہاتھ میں نہ ہوتی اور وہ منشورِ خلافت جو خدا کی طرف سے تھا علیؑ و آلِ علی علیہم السلام کے گھر میں محفوظ نہ ہوتا تو لوگوں کی رقابت اور تاویلیں اس کو نیست و نابود کر دیتیں۔

تصدیقِ فاطمہؑ

تصدیقِ قرآن ہے

ع :- واقعتاً یہ مسئلہ ہم نوجوانوں کے لئے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا ہے۔ اب ایک دوسری عرض ہے کہ کسر وی حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو مسئلہ فدک میں حقدار نہیں سمجھتا اور کہتا ہے کہ یہ صرف دعویٰ تھا؟

ح :- فرزند! تکذیبِ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا آسان کام نہیں ہے میں اس نازک مسئلہ میں صبر و تحمّل سے کام لیتے ہوئے اس فیصلہ سے دست کشی کرتا ہوں اور اس بارے میں کوئی بات نہیں کہتا۔ یہ واقعہ جو ملّتِ اسلامیہ کے دو فرقوں میں بہت بڑے اختلاف کا سبب ہے اس کو علماءِ شیعہ و سُنّی نے اپنی اپنی کُتب میں تفصیلاً ذکر کیا ہے ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں اس واقعہ کو بہت ہی تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے اور خلفاء کو خطا کار ٹھہرایا ہے۔ اگر اس سے بھی مختصر اور مفید ملاحظہ کرنا چاہتے ہو تو تاریخ آلِ محمدؐ مؤلفہ

بہلول بہجت آفندی قاضی زنگہ زوری حنفی ملاحظہ فرمائیں۔

اس سے قبل میں کہہ چکا ہوں کہ ان اعتراضات سے کسروی کا مقصد صرف شیعہ و سُنّی میں تجدید جنگ ہے ورنہ اس قسم کی باتیں آجکل کے زمانہ میں مفید نہیں ہیں۔

اس سے مفصل اور اہم ایک مناظرہ ہے جو علامہ السید عبد الحسین شرف الدّین موسوی عاملی اور قاضی جامع الازہر کے درمیان ہوا۔ اس کتاب کا نام "المراجعات" ہے جو تقریباً تمام ممالکِ اسلامی میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں حقائق کو بہترین طریقہ سے واضح کیا گیا ہے۔ اس کا مطالعہ کریں۔

اسی لئے میں نے کسروی کی تردید نہیں کی ہے اور نہ ہی مجھے اس کی ضرورت ہے۔ کیونکہ خداوند عالم خود قرآن مجید میں فرماتا ہے انّما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرّجس اھل البیت ویطھّرکم تطھیرا۔ باجماع علماء اسلام خصوصاً علمائے شیعہ و سُنّی نے اس آیت میں اہل بیت کے افراد سے ایک حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو بھی شامل کیا ہے کہ خدا نے ان تمام اہل بیت سے رجس و پلیدی کو دُور رکھا ہے۔ دروغ و حرص و ہوا پرستی بھی رجس ہے۔ اب جس شخص نے بھی دخترِ پیغمبرؐ کی طرف ان میں سے کسی ایک چیز کی بھی نسبت

دی اور حضرت خاتونِ محشر کے دعویٰ کی تکذیب کی اس نے گویا خداوند عالم کی تکذیب کی اور جس نے خداوند عالم کی تکذیب کی وہ مُلحد و کافر ہے اور کسر وہی جو کفر و فسق اور نفاق سے نہیں ڈرتا۔ اس کی یہ بیباکی اس کے انجام کو رُسوا کر دے گی۔

علاوہ ازیں اگر اس مسئلہ فدک میں فاطمہؑ حقدار نہیں تھیں اور رسُولِ خدا نے اپنی صاحبزادی کو فدک نہیں دیا تھا تو ابنِ عبد ربہ کی روایت کے مطابق خلیفہؓ اوّل اپنی اس خطا پر گریہ و زاری کیوں کرتے تھے؟ اور اس پر اظہارِ ندامت کیوں کرتے تھے کہ کاش! میں فاطمہؑ کو فدک دے دیتا اور اس کو غصب نہ کرتا۔

خلیفہؓ دوم نے بھی اپنے زمانہٗ خلافت میں فدک حضرت علی علیہ السلام کو واپس کرنا چاہا تو حضرت علیؑ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ صاحبِ حق کو حق سے محروم کرنا تو آپ نے ثابت کر دیا۔ جب تُو نے صاحبِ حق کو اس کا حق نہیں دیا تو مَیں بھی فدک کو قبول نہیں کرتا۔

فتوحاتِ خلفاء

یا

اسلام کی تباہی

س :- اگرچہ مسئلہ خلافت واضح ہو گیا ہے اور اس کے لئے کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن ایک اور سا اعتراض میری نظر میں ہے اس کو معذرت کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ جب خلفاء حضرت علیؑ کی معنوی و علمی وراثت کے قائل تھے تو کیا حرج تھا کہ خلافتِ ظاہری کو بھی تسلیم کر لیتے ؟ حضرت علیؑ محافظِ دین تھے، خلفاء بھی قضاوت و فتاویٰ میں ان کی اطاعت کرتے تھے اس سے زیادہ عظمت و بزرگی اور کیا ہو گی ؟ اگر وہ تسلیم کر لیتے تو دین کیلئے کونسا نقصان ہوتا ؟

ج :- عزیزِ من ! خلفاء کی خلافتِ ظاہری سے اسلام کو سراسر نقصان پہنچا ہے۔ خلفاء صرف علم احکام میں ہی نہیں بلکہ علم سیاستِ حق و حقیقت سے بھی پوری طرح آگاہ نہیں تھے۔

خلیفۂ اوّل کی خلافت کے پہلے ہی سال خالد بن ولید نے اپنی غرض اور خواہش نفسانی کی وجہ سے مالک ابن نویرہ اور اس کے خاندان کے چند افراد کو جو مسلمان تھے ان پر مرتد ہونے کی تہمت لگا کر قتل کر دیا اور اسی رات اُمِّ تمیم زوجۂ مالک سے ہم بستری کی اور اس طرح وہ ایک ہی رات میں قتل و زنا جیسے گناہانِ کبیرہ کا مرتکب ہوا۔ لیکن خلیفۂ اوّل نے نہایت ہی سرد مہری کے ساتھ قصاص طلب کرنیوالوں کو ٹال دیا، اور اس طرح اس نے گناہِ عظیم سے چشم پوشی کی۔

ان کی خلافت کے دوسرے سال اسی خالد نے مسلمانوں کے اُس حق کو جو ایک ایک ہزار درہم فی نفر بنتا تھا اور اہالیانِ یمامہ کی صُلح کے نتیجہ میں آئے تھے، غصب کیا۔

خلیفۂ ثانی کی خلافت میں مغیرہ بن شعبہ نے زنا کیا اور اس زناکار کی بجائے اس کے چشم دید گواہوں کو کوڑے لگائے گئے حضرت علیؑ کے اعتراض کا بھی کوئی اثر نہ ہوا۔ یہ خلافتِ عمرؓ کا زمانہ ہی تھا کہ معاویہ جیسا طالبِ دنیا امیرِ شام بن گیا۔ خلیفۂ ثانیؓ کے قتل کے بعد اس کے بڑے بیٹے عبد اللہ نے ثبوتِ شرعی کے بغیر ایک ایرانی شخص فیروزان کو خلیفۂ دوم کے قتل کی تہمت میں قتل کر دیا۔ لیکن خلیفۂ سوم نے اس کا قصاص تک نہ لیا۔ اس کے قصاص کے لئے حضرت

عَلیؑ نے بارہا اسرار کیا لیکن اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی لیکن حضرت علیؑ نے اپنے طور پر عبد اللہ کو تہدید کی اور زمانہ خلافتِ عَلیؑ میں ان کے عدل و انصاف کے ڈر کی وجہ سے عبد اللہ شام بھاگ کر معاویہ کے ساتھ مل گیا۔ یہی وجہ تھی کہ مردانِ منافقِ اسلام حضرت علیؑ کو چھوڑ کر خلفاءِ جور کے طرفدار ہو گئے۔

بیس بلکہ پندرہ سال بھی رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کو نہیں گذرے تھے کہ زمانۂ جاہلیّت کے فاسق و بُت پرست جو مسلمانوں کے خوف و ڈر کی وجہ سے مسلمان ہوئے تھے اور ابھی تک ان میں بُغض و نفاق باقی تھا۔ اُنہوں نے حضرت عثمان کی کمزوری سے فائدہ اُٹھایا اور بیت المال کو مسلمانوں اور مومنین پر خرچ کرنے کے بجائے اپنی عیش و عشرت میں صرف کیا۔ بالآخر خلافت بھی مکمّل طور پر بنو امیہ میں چلی گئی۔ معاویہ اور یزید، وہ یزید جو فاسق تھا اور اعلانیہ شراب پیتا تھا اور قمار بازی اور عشق بازی کرتا تھا، خلیفہ بنا دیا گیا۔ اس نے کئی بدعات جاری کیں۔ رسُولؐ و علیؑ کے دو فرزندوں اور جگر گوشۂ بتولؑ اور ان کی اولاد و اصحاب کا خون بہایا اور ہزار ہا بے گناہ لوگوں کو محبّتِ علیؑ کے جُرم میں قتل کیا۔ لشکرِ یزید نے مدینہ میں قتلِ عام کیا۔ انصار کی سینکڑوں باعفت و عصمت عورتوں کو

پامال کیا۔ خانہ کعبہ کو نیست و نابود کیا۔ یہاں تک کہ وہ زمانہ بھی آگیا کہ اموی خلیفہ ولید نے قرآن کریم پر کھلے بندوں تیر اندازی کی۔

وہ بنی عباس جنہوں نے بنی اُمیہ سے خلافت کو چھین لیا تھا انہوں نے فسق و فجور کی انتہا کر دی اور آلِ محمد علیہم السلام جو آسمان اسلام کے مہر و ماہ سمجھے جاتے تھے ان کو مقتول و مسموم اور مقید کر دیا۔ یہ تمام واقعات شوریٰ عالیٔ سقیفہ کا نتیجہ تھے۔ اگر مجلس شوریٰ کی تشکیل نہ ہوتی اور احکام الٰہی اور نصِّ پیغمبر ص کے مقابلہ میں اجتہاد نہ کیا جاتا اور حضرت امیر المومنین ع کو امتِ محمدیہ کا سرپرست قبول کر لیا جاتا اور خلافت آئمہ اثنا عشر میں ہی رہتی تو یہ تمام دل فگار واقعات ظہور پذیر نہ ہوتے اور مسلمان مصائب و آلام سے دوچار نہ ہوتے

پیغمبرِ خدا ص کے بعد خلفاء بجائے اس کے کہ اخلاقِ اُمت کی تربیت اور رُوحِ ملّت کو بیدار کرتے اور مسلمانوں کی اصلاح کرتے وہ فتوحات میں مشغول ہو گئے۔ ابھی عربوں کے دل میں ایمان اچھی طرح جاگزیں نہیں ہوا تھا کہ وہ ان کو ایران اور روم کے رنگین شراب خانوں میں لے گئے اور وہ ان ممالک کی دولت و حسن میں اتنے کھو گئے کہ وہ اسی کے ہو کر رہ گئے اور زمانۂ جاہلیت دوسرے رنگ میں واپس لوٹ آیا اور خواہشاتِ انسانی کا بازار

گرم ہو گیا اور برائے نام اسلام اور عمل بے رُوح کے کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی تھی ۔ اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ وہ اہلِ بیت جو اُمّت کے درمیان کشتیٔ نوح کی مثال تھے ان سے کنارہ کشی اختیار کی گئی اور انقلابات کے طوفان سے محفوظ رہنے کیلئے لکڑی کے بوسیدہ ٹکڑوں کا سہارا لیا گیا۔

ہ

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریادیُوں کرتے
نہ کھلتے راز سربستہ نہ یُوں رسوائیاں ہوتیں

اہلبیت کشتیِ نوح کی مثال ہیں

ع :- اس بارے میں کتب اہلسنّت سے ہمارے پاس کوئی ثبوت ہے کہ اہل بیت کشتیٔ نوح کی مثال ہیں ؟

ح :- اس بارے میں بیشمار ثبوت ہیں صرف چند احادیث کتب اہلسنّت سے آپ کیلئے نقل کرتا ہوں ۔

حدیث اوّل عن ابی ذر قال رسول اللّٰہ مثل اھل بیتی کمثل سفینۃ نوح من رکبھا نجی و من تخلّف عنھا غرق ۔

حضرت ابوذر سے روایت ہے رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری اہل بیت کشتیٔ نوح کی مثال ہیں جو اس پر سوار ہو گیا وہ نجات پا گیا اور جو رہ گیا وہ غرقاب ہو گیا ۔

(المستدرک حاکم جلد سوم صـ ۱۵۱)

حدیث دوم طبرانی نے کتاب اوسط میں ابی سعید سے روایت کی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا کہ

تمہارے درمیان میرے اہل بیت کی مثال کشتیٔ نوح کی مثال ہے جو اس پر سوار ہو گیا وہ نجات پا گیا اور جو رہ گیا وہ غرقاب ہو گیا۔

حدیث سوم

رسولِ خدا نے فرمایا کہ تمہارے درمیان میرے اہل بیت کی مثال بنی اسرائیل میں بابِ حطہ کی مثال ہے۔ جو شخص اس دروازے سے داخل ہوا وہ بخشا گیا۔ (اربعین حدیث ۱۸)

حدیث چہارم

نیز حضرت رسولِ اکرمؐ نے فرمایا کہ ستارے اہلِ زمین کو غرق ہونے سے امن میں رکھتے ہیں اور میرے اہل بیت میری امّت کے لئے امان ہیں (یعنی دین میں اختلاف سے محفوظ رکھتے ہیں) پس عرب کے جس قبیلہ نے بھی میرے اہل بیت کی مخالفت کی اس کا گروہِ ابلیس میں شمار کیا جائے گا۔ (المستدرک حاکم جلد سوم ص ۱۴۹)

ع :۔ آپ نے فرمایا ہے کہ خلفاء کی فتوحات بد اخلاقی اور مسلمانوں کی تنزّلی کا موجب بنی۔ اگر حضرت علی علیہ السّلام خلیفۂ اوّل ہوتے اور ان کے بعد ہمارے آئمہ مسندِ خلافت پر رونق افروز ہوتے تو کیا وہ روم اور ایران کے ساتھ جنگ نہ کرتے؟

ح :۔ اگر علی و اولادِ علی علیہم السّلام پیغمبرِ اکرمؐ کے فرمان کے مطابق

خلافتِ ظاہری کی مسند پر متمکن ہونے تو وہ یقیناً احکامِ خداوندی پر عمل پیرا ہوتے اور سب سے پہلے اخلاقِ اُمّت کی تربیّت میں مشغول ہوتے اور رسولِ خداؐ کے نقشِ قدم پر گامزن ہوتے اور رُوحِ اسلام کی بیداری کو بہت زیادہ اہمیّت دیتے تو اس وقت یہ ممکن نہ ہوتا کہ خالد و مغیرہ اور ولید جیسے فاسق لوگ قتل و زنا یا شراب خوری کے مرتکب ہوتے۔ اور جب تک عربوں کے دل یقینِ محکم اور نعمتِ ایمان سے پُر نہ ہو جاتے ان کو ایران اور روم کی پُر نعمت سرزمین کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھنے دیتے۔ اور جب ہمارے آئمہ رسولِ خداؐ کے نقشِ قدم پر چلتے تو اُس وقت ایرانی اور رومی بغیر جنگ کے مسلمان ہو جاتے اور اپنی مرضی سے عیسیٰ پرستی اور آتش پرستی کو ترک کر کے دینِ اسلام قبول کر لیتے لیکن وہ صدمات جو ایران اور روم نے مسلمانوں کی طرف سے برداشت کئے اور عربوں کے فضائل اور اسلام سے عاری افراد کا مشاہدہ کیا تو وہ لوگ عرب اور آئینِ عرب سے متنفّر ہو گئے تھے۔ اگر ہمارے آئمہؑ کی خلافت ہوتی تو وہ لوگ اسلام کے گرویدہ ہو جاتے۔

ع :- حضرت علیؑ اور ان کے گیارہ فرزند کہ ہم ان کو اپنا امام

اور پیشوا تسلیم کرتے ہیں ۔ کیا ان کی صرف یہی ذمہ داری تھی کہ وہ احکام اسلام کے عالم ہوں اور دینِ اسلام کی حفاظت کریں یا اور بھی کوئی ذمہ داری تھی ؟

ج :- ہمارے آئمہ علیہم السلام تمام صفاتِ حسنہ اور اخلاقِ فاضلہ کے مالک ہوتے ہیں اور ہر قسم کے گناہ وخطا واشتباہ اور لغزش سے پاک اور معصوم ہیں ۔

دوسرے جنگ سے فرار کرتے ہیں ، علیؑ کرار غیر فرار ہیں ۔

دوسرے لوگ احکام پیغمبرؐ جو عین حکم خدا ہے اس کا انکار کرتے ہیں اور علیؑ شک اور انکار نہیں کرتے ۔

دوسرے حدیبیہ میں صلح کے وقت رسُولِ خداؐ کی مخالفت کرتے ہیں علیؑ اطاعت کرتے ہیں اور عہد نامہ اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں ۔

دوسرے رسُولؐ کو " انّ الرّجل لیھجر " کہتے ہیں اور علیؑ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحیٌ یُوحیٰ فرماتے ہیں ۔

یہ سب کچھ علمِ حقیقی اور معرفتِ الٰہی کا اثر ہے جو خشیت وہیبت و ثباتِ قدم و استقامت و ایمان اور یقین بخشتا ہے " انّما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلماءُ " ۔ یہ وہی ہیں جو تفسیر و تاویل و ظاہر و باطن کو جانتے ہیں اور حقائقِ آیات اور دقائقِ وحی سے باخبر ہیں اور تمام سے مطلع

ہیں اور کوئی علم و تدبیر و سیاست ان پر مخفی و پوشیدہ نہیں ہے۔

ع :۔ علماء اہل سنّت راسخون فی العلم کو عالم بہ تاویل نہیں جانتے ہیں اور وہ اس آیت کا دوسرے انداز میں ترجمہ کرتے ہیں۔

ح :۔ علماء شیعہ نے علماء اہل سنّت کا ہر جگہ جواب دیا ہے اور مقصودِ حق کو ثابت فرمایا ہے۔ اس وقت چونکہ ہم کسروی کی رد میں لکھ رہے ہیں۔ اسلئے اس کے اپنے اعتراف کے ساتھ ثابت کرینگے وہ کتاب "التشیع و الشیعہ" ص۳۷ میں لکھتا ہے کہ "آیاتِ قرآنی کی دو قسمیں ہیں" محکمات اور متشابہات" اور سوائے رسُولِ خدا اور راسخون فی العلم کے کوئی بھی تاویل سے آگاہ نہیں ہے۔"

اسنے اس کتاب میں راسخون فی العلم کا عالم بتاویلِ قرآن ہونے کا کئی مرتبہ اقرار کیا ہے۔

اب اگر کسروی سے راسخون فی العلم کے بارے میں سوال کیا جائے کہ وہ کون ہیں تو کیا اس میں جرأت ہے کہ سوائے محمدؐ و علیؑ کے کسی دوسرے فرد کا نام لے سکے۔ اگر اس نے کسی دوسرے کا نام لیا تو وہ صرف دروغ اور دعویٰ ہی ہوگا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ خداوند عالم نے ہی رسُولِ خدا کو قرآن مجید کی آیات کی تفسیر و تاویل، ظاہر و باطن اور محکم و متشابہ کا

علم عطا فرمایا ہے۔ نیز علماءِ شیعہ و سُنّی میں سے کوئی بھی اس بات سے انکار اور اختلاف نہیں کرتا کہ علیؑ بابِ علم پیغمبرؐ تھے اور علیؑ نے سب کچھ درسگاہِ محمدیؐ ہی سے حاصل کیا ہے۔ خود حضرت امیر المومنینؑ نے نہج البلاغہ جلد دوم خطبہ ۱۴۲ میں فرمایا ہے کہ:۔

این الّذین زعموا انّھم الرّا سخون فی العلم دوننا کذباً علینا ان رفعنا اللہ و وضعھم و اعطانا و منعھم و ادخلنا و اخرجھم۔

یعنی کہاں ہیں وہ لوگ کہ جو لوگ جھوٹ بولتے ہوئے ہم پر ستم روا رکھتے ہوئے یہ ادّعا کرتے ہیں کہ وہ راسخون فی العلم ہیں نہ کہ ہم۔ چونکہ اللہ نے ہم کو بلند کیا ہے اور انہیں گرایا ہے اور ہمیں منصب امامت دیا ہے اور انہیں محروم رکھا ہے اور ہمیں (منزلِ علم میں) داخل کیا ہے اور انہیں دُور کر دیا ہے۔

علیؑ شریکِ قرآن ہے

ع:- قبل ازیں آپ نے فرمایا ہے کہ ہم شیعہ کے عقیدہ کے مطابق آئمہ علیہم السلام شریکِ قرآن ہیں۔ کیا اس بارے میں ہمارے پاس کوئی واضح دلیل ہے؟ اگر آئمہ شریکِ قرآن ہیں تو بات ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ قرآن مجید تمام عالم پر حاکم ہے اور آئمہؑ بھی تمام افراد اسلام بلکہ تمام عالم پر حاکم ہوں گے۔

ح:- مسئلہ راسخون فی العلم کے بارے میں ہماری گفتگو اسی عقیدہ کو ثابت کرتی ہے۔ جب یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ علیؑ وارثِ علمِ پیغمبرؐ اور حاملِ معارفِ الٰہیہ ہیں اور تنزیل و تاویلِ قرآن کریم و محکم و متشابہ، مجمل و مفصّل اور ناسخ و منسوخ پر مطلع و آگاہ ہیں تو ان کی حاکمیت مسلّم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ خلفائے ثلاثہ نے حضرت علیؑ کے احکام و قضا اور فتوے کو بے چون و چرا تسلیم کر لیا تھا اور لولا علیؑ لھلک عمر کا جملہ اس کو واضح کرتا ہے ہمارے مطلب کے اثبات کے لئے جو بہت بڑی دلیل ہے وہ فرمانِ رسولِ خدا ہے کہ رسولِ خداؐ نے اپنی آخری وصیتوں

ہیں خاص و عام ہیں کئی مرتبہ فرمایا تھا کہ انی مخلف فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اھل بیتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی ابداً۔ دوسرے مقام پر صراحتاً فرمایا کہ لن یفترقا حتی یردا علی الحوض۔ یعنی علی و اولاد علی علیہم السلام شریک قرآن ہیں۔ یہ حدیث شیعہ و سُنّی کے نزدیک ثابت اور مسلّم ہے۔ آپ کے لئے سات حدیثیں کتب اہل سُنّت سے نقل کر رہا ہوں تاکہ حقائق واضح و روشن تر ہو جائیں۔

امام شیعیان جانشین پیغمبر اور شریک قرآن ہیں

حدیث اوّل فنادی یا ایھا النّاس انی ترکت فیکم ما ان اخذتم بہ لن تضلوا کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی۔ یعنی رسولِ اکرمؐ نے ندا فرمائی کہ اے لوگو! میں نے تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑی ہے اگر تم اس کو پکڑ لو تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے وہ کتاب خدا اور میرے اہل بیت ہیں۔ اس حدیث کو ترمذی اور نسائی نے جابر سے روایت کیا ہے۔ (کنز العمال جز اوّل ص۴۴)

حدیث دوم نیز حضورؐ نے فرمایا کہ "میں نے تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑی ہے، اگر تم نے اس کے ساتھ

تمسک کیا تو تم ہرگز گمراہ نہیں ہو گے۔ ایک کتاب خدا ہے، وہ رسّی ہے خدا اور بندگانِ خدا کے درمیان اور دوسرے میرے اہل بیت ہیں (یعنی قرآن اور اہلِ بیت خدا اور بندوں کے درمیان وسیلہ ہیں) یہ دونوں جُدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر وارد ہوں گے۔ پس دیکھو تم ان کے بارے میں میرا کس طرح احترام کرتے ہو۔ (ترمذی، کنز العمال جُزء اوّل ص ۴۴)۔

حدیث سوم حضورؐ نے فرمایا کہ میں تمہارے درمیان دو خلیفے اور جانشین چھوڑے جا رہا ہوں، ایک کتاب خدا جو زمین و آسمان کے درمیان حبل ممدود ہے اور دوسرے میرے اہل بیت یہ دونوں ہرگز جُدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر وارد ہوں گے۔ (مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۱۸۹)

حدیث چہارم حضورؐ نے فرمایا کہ میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں قرآن مجید اور میرے اہل بیت۔ یہ ایک دوسرے سے جُدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ یہ دونوں حوضِ کوثر پر وارد ہوں گے۔ (مستدرک حاکم جزو سوم ص ۱۴۸)۔

حدیث پنجم:۔ حضورؐ نے فرمایا کہ شاید میں دعوت دیا جاؤں

پس میں اس کو قبول کر لوں (یعنی خدا مجھے دوسرے جہان کی طرف بلائے اور میں ندائے حق پہ لبیک کہوں) اور میں تمہارے درمیان دو گرانقدر اور با عظمت چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کتاب خدا اور میرے اہل بیت - خداوند عالم نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ دونوں اس وقت تک علیحدہ نہ ہوں گے جب تک حوضِ کوثر پہ نہ پہنچ جائیں - پس دیکھو تم ان کے بارے میں میرا کس طرح احترام کرتے ہو - (مسند احمد بن حنبل جزو سوم ص۲۶) -

حدیث ششم

جب رسولِ اکرمؐ نے حجۃ الوداع سے واپسی پر مقام غدیر خم پر قیام فرمایا تو فرمایا کہ شاید میں دعوت دیا جاؤں پس اس کو قبول کر لوں (اس جملے میں اپنی وفات کی طرف اشارہ ہے) - میں نے تمہارے درمیان دو گرانقدر اور با عظمت چیزیں چھوڑی ہیں جو ایک دوسری سے بزرگ تر ہے ، قرآن مجید اور اپنی عترت پس دیکھو کہ تم ان کے بارے میرا کس طرح احترام کرتے ہو - پس وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوضِ کوثر تک پہنچ جائیں - (مستدرک حاکم جز سوم ص۱۰۹) اس نے اس حدیث کے صحیح ہونے کا بھی اقرار کیا ہے -

حدیث ہفتم :- عبداللہ بن حنطب کہتا ہے کہ رسولِ خداؐ نے

مقامِ جحفہ پر ہمارے لئے ایک خطبہ ارشاد فرمایا کہ کیا میں تم پر تمہارے نفسوں سے اولیٰ و بہتر نہیں ہوں؟ لوگوں نے کہا ہاں یا رسولؐ اللہ! پھر حضورؐ نے فرمایا کہ میں تم سے دو چیزوں کے بارے میں سوال کروں گا۔ وہ قرآن اور میرے اہل بیت ہیں۔ (طبرانی، المراجات ص۱۲۱)

وہ صحیح حدیثیں جن میں قرآن مجید اور اہلبیت کے ساتھ تمسک کو واجب قرار دیا ہے وہ متواتر ہیں اور بیس سے زیادہ صحابہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت رسولِ اکرمؐ نے متعدد مقامات پر اس تمسک کی تاکید فرمائی ہے۔ کبھی مقام غدیرِ خم میں کبھی روزِ عرفہ حجۃ الوداع میں، کبھی طائف کی واپسی پر، کبھی برسرِ منبر مدینہ میں اور پھر بیماری کی حالت میں اپنے حجرۂ مبارکہ میں۔ جب آپکا گھر صحابۂ کرام سے بھرا ہوا تھا اس موقعہ پر حدیثِ مذکور کے بعد علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ یہ علیؑ قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے۔ یہ دونوں جُدا نہ ہونگے یہاں تک کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر وارد ہونگے۔ صواعقِ محرقہ، ابنِ حجر مکی فصل دوم۔ باب نہم۔

یہ حقیقت ہے کہ مسلمان اس حدیث کا انکار نہیں کر سکتے اور نہ ہی علیؑ و اولادِ علی علیہم السّلام کی حاکمیت میں کسی شک و تردید کی گنجائش ہے۔

مقامِ غدیرِ خم پر

ولایتِ علی کا اعلان

ع :- کسروی لکھتا ہے کہ شیعہ واقعۂ غدیر خم کے اثبات کے لئے یہ آیت پیش کرتے ہیں :- الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً - حالانکہ یہ آیت حرمتِ مردار و خون و خنزیر کے گوشت اور دیگر اسی قسم کے محرمات کے متعلق ہے - اس آیت کا امامت اور خلافت سے کوئی تعلق نہیں ہے -

ح - اوّلاً :- یہ آیۂ[1] شریفہ دوسرے مطلب کے درمیان ایک جملہ معترضہ

---

[1] آیت الیوم اکملت لکم الخ مقام غدیر خم پر ہی نازل ہوئی ہے یہ کسروی کی کم علمی ہے کہ اس نے اس بات کی مطلق نفی کی ہے - جناب علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ رسولِ خدا نے روزِ غدیر خم میرے سر پر ایسی دستار باندھی جس کا شملہ پیچھے کی طرف تھا - جب دستار بندی مکمل ہو چکی تو یہ آیت نازل ہوئی الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی الخ کہ دین آج مکمل ہوا نعمت آج پوری ہوئی - آیت ہذا کا شانِ نزول تفسیر در منثور جلد دوم ص۲۵۹ تذکرہ سبط ابن جوزیہ ص۱۸، تاریخ ابن کثیر جلد ہفتم ص۳۵۰ پر ملاحظہ فرمائیں (مترجم)

ہے۔ قرآن مجید میں اس قسم کے جملہ معترضہ بہت زیادہ ہیں اور شاید یہی جملہ کئی مقامات پر نازل ہُوا ہو۔

ثانیاً:۔ ایک دوسری آیت بھی ہے جو اصل موضوع غدیر خم کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اہل سُنّت کے علماء نے روایت کیا ہے۔ چونکہ کسروی اس آیت کے مقابلے میں اپنے آپ کو کمزور و ناتواں محسوس کرتا ہے اس لئے وہ اس متشابہ آیت کو درمیان میں لانے کی کوشش کرتا ہے۔
خداوند عالم قرآن مجید میں فرماتا ہے یا ایّھا الرّسول بلّغ ما انزل الیک من ربّک و ان لم تفعل فما بلّغت رسالتہ واللّٰہ یعصمک من النّاس۔ یعنی اے رسُولؐ! وہ چیز پہنچا جو تجھ پر تیرے خدا کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔ اگر تُو نے یہ کام نہ کیا تو تُو نے رسالت ہی نہیں پہنچائی اور اللہ تجھ کو لوگوں سے بچالے گا۔

شیعہ و سُنّی کا اتفاق ہے کہ یہ آیت غدیر خم کے مقام پر ولایت و امامت اور خلافتِ حضرت امیر المومنینؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ رسُولِ اکرمؐ نے اس موضوع کی اہمیت اور شدید تاکید کے پیش نظر لوگوں کو اتنی مہلت بھی نہیں دی کہ حجّاج کا قافلہ اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ جائے۔ اس فرمان کے ابلاغ کے لئے خداوند عالم نے حکم دیا کہ جو قافلے آگے نکل گئے ہیں ان کو واپس بلاؤ اور پیچھے آنے والوں کا انتظار کرو۔ رسُولِ خداؐ نے اس کی تعمیل کی۔ جب تمام حاجی جمع ہو گئے تو حضورؐ نے اونٹوں کے پلانوں کا

منبر بنایا اور منبر پر تشریف لے گئے اور اپنے چچازاد بھائی علیؑ کا ہاتھ بلند کرتے ہوئے فرمایا کہ تمام مسلمان اس شخص کو دیکھ لیں اور پہچان لیں۔ پھر خدا کے حکم کی تبلیغ کی۔ فرمایا من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ اللّٰھمّ وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہٗ۔ یعنی جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علیؑ مولا ہے۔ اے اللہ! تو اس سے محبّت رکھ جو علیؑ سے محبت رکھے اور تو اس سے دشمنی رکھ جو اس سے دشمنی رکھے اور تو اس سے نصرت کر جو اس کی نصرت کرے اور تو اس کو چھوڑ دے جو علیؑ کو چھوڑ دے۔

ثالثاً:۔ چونکہ کسروی نے حدیث من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ کا اعتراف واقرار کیا ہے یہی ہمارے لئے کافی ہے۔ کسی دوسرے ثبوت اور دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔

ع:۔ یہ صحیح ہے کہ کسروی نے آیت الیوم اکملت لکم الخ پر اعتراض کیا ہے اور حدیث من کنت مولاہ الخ کا اقرار کیا ہے لیکن لفظ "مولا" کے دوسرے معانی کے متعلق لکھتا ہے کہ یہ معنی خلافت وامامت کے موضوع سے باہر ہے۔

ح:۔ عزیز! کلمہ ولی و مولیٰ الفاظ مشترکہ میں سے ہے۔ کسروی

نے اس کا معنی حلیف ، مالک ، بندہ ، آزاد کنندہ اور آزاد شدہ کیا ہے لیکن اس کا معنی آقا و امیر و والی و رفیق و سلطان اور نصیر بھی آیا ہے۔ معلوم نہیں کسروی نے کس دلیل و برہان کے ساتھ ان معانی سے چشم پوشی کی ہے اور اپنے مقصد و عقیدے کو شیعوں پر ٹھونسنے کی کوشش کی ہے؟

ع :۔ ہم نے کس دلیل کے ساتھ کسروی کے معنیٔ مقصود سے اعراض و روگردانی کی ہے ہم چاہتے ہیں کہ معنیٔ آقا امارت اور اولویت کو ثابت کریں۔

ح :۔ ہمارے پاس مولی کے معنی آقا و امیر اور اولویت لینے میں قرائن موجود ہیں۔ یہ تمام قرینے ہمارے مقصد کو واضح ثابت کرنے میں ممد و معاون ہیں۔ اور جو کسروی نے کہا ہے وہ مناسب نہیں ہے۔ جس جگہ خداوند عالم فرماتا ہے کہ اے رسُول! اگر تُو نے تبلیغ نہ کی تو گویا تُو نے میری رسالت کی تبلیغ ہی نہیں کی تم خود تصوّر کرو کہ ایک مختصر بات کتنی اہمیّت کی حامل ہے کہ اس پر تہدید کی جا رہی ہے۔ یہ خاندانی حکم (بقول کسروی) کتنا اہم تھا کہ جو تمام تکلیفات و مصائب اور تبلیغاتِ رسُولِ اکرمؐ کا مقابلہ کر رہا ہے کہ "اگر تُو نے اس کی تبلیغ نہ کی تو گویا کوئی کام ہی نہیں کیا

یعنی نبوت کا کوئی حکم لوگوں تک نہیں پہنچایا"۔ گویا یہ آخری تبلیغ نبوت و رسالت کو تبلانے والی تھی اور خداوند عالم رسولِ اکرمؐ کی تسلی و اطمینان کے لئے فرماتا ہے واللہ یعصمک من الناس کہ تو ان سے نہ ڈر۔ اللہ تجھ کو لوگوں کے شر اور منافقین کے دھوکہ و فریب سے بچائے گا۔ کیا تیری اور تمام سننے والوں کی عقل و بصارت باور کرتی ہے کہ ایسا حکم صرف خاندان کے بارے میں ہو؟

اے صاحبانِ عقل اور محصلین دانشمند! تم اس پر غور و خوض کیوں نہیں کرتے ہو کہ ایک خاندانی بات کو خاندان کے اندر ہی انجام دیا جاتا ہے۔ آخر غدیر خم کے بے آب و گیاہ میدان میں کیا ضرورت تھی کہ انبوہِ کثیر کو بیابانِ عربستان میں تپتے سورج کے نیچے کھڑا کرتے اور پیغمبرِ خدا اتنی گرمی میں علیؑ کا بازو پکڑ کر ستر ہزار لوگوں کے درمیان بلند فرماتے اور تمام لوگوں کو یہ پہنچاتے اور اتمام حجت کرتے اور اس تبلیغ پر خدا کو گواہ کرتے؟ واعجبا

ہاں! شیعوں کا عقیدہ صحیح ہے یہ ولایت و امامت اور خلافت کی تبلیغ ہی تھی۔ اس میں بہت زیادہ خطرات تھے۔ اس لئے خدا فرماتا ہے واللہ یعصمک من الناس اے میرے حبیب! ڈرو نہیں میرے اس آخری اور اہم حکم کو اُمت تک پہنچا دو۔ ورنہ وہ تمام تبلیغ جو

میرے حکم اور بشر کی ترقی کیلئے کی ہے بے سُود ثابت ہو گی۔

ہاں! مسئلہ ولایت وہ ہے جو شجرِ نبوّت و رسالت کی آبیاری کرتا ہے اور اس کو پھلدار بناتا ہے۔ نادان اور ظالم کو مسندِ خلافت پر نہیں بیٹھنا چاہیئے۔ احکام اسلام سے ناواقف لوگوں کے لئے منصب امامت و خلافت لائق و مناسب نہیں ہے۔ اَے محمدؐ! تجھے یاد ہوگا کہ سورۂ برأت کی تبلیغ کے لئے تُو نے ابوبکر کا انتخاب فرمایا تھا۔ لیکن ہم نے اس کو پسند نہیں کیا تھا اور ہم نے کہا تھا کہ اس کام کو تو خود یا تیرے جیسا جو تیرے اہل بیت سے ہو انجام دے۔ اب جبکہ تیری رحلت کا وقت قریب ہے اور تیرا جہانِ بقاء کی طرف سفر کا ارادہ ہے اور میری ملاقات کا شوق دامن گیر ہے۔ تو علیؑ کو اپنا خلیفہ و جانشین مقرر کر دے اور خلافت و امامت کے لئے اس کا انتخاب کر لے تیری اُمت میں تیری مثل علیؑ کے علاوہ دوسرا کوئی نہیں ہے اور اس کے علاوہ کوئی بھی بارِ ولایت کو اُٹھانے کے قابل نہیں ہے۔ صرف وہی ہے جو میری زبان سے آشنا ہے۔ علیؑ دین کا محافظ ہے اور دین علیؑ کے ہاتھوں کا پروردہ ہے۔

رسُولِ خداؐ تبلیغ کے بعد دُعا کرتے ہیں اللّٰھمّ وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہٗ واخذل من خذلہٗ۔

رسولِ خدا کے فرمان کے بعد خلیفۂ ثانی معنیٰ مولا کو واضح تر کرتے ہیں۔ خلیفۂ دوم اسی غدیرِ خم کے میدان میں ہی خیمۂ ولایت و خلافت میں داخل ہوتے ہیں اور علیؑ کی بیعت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بخٍ بخٍ لك یا علی اصبحت مولای و مولا کلّ مومن و مومنة مبارک ہو تجھے اے علیؑ! کہ تُو میرا اور تمام مومن مرد اور عورت کا آقا و مولا ہو گیا ہے۔

حدیث غدیر خم

از طرق اہل سنّت

ع :- آیا کتب اہلِ سنّت میں کوئی ایسی حدیث موجود ہے جو کسروی کیلئے دندان شکن ثابت ہو اور اس جھگڑے کو ختم کر دے۔

ح :- اس بارے میں ایک نہیں بلکہ ایک سو احادیث موجود ہیں یہاں صرف ایک واضح و مختصر حدیث کو نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

براء ابنِ عازب نے کہا کہ ہم رسُولِ اکرمؐ کے ساتھ تھے اور مقام غدیر خم پر اُترے۔ نماز کے لئے ندا دی گئی اور رسُول خدؐا کے لئے دو جھاڑیوں کے درمیان جگہ درست کی گئی اور رسُولِ خدؐا نے نمازِ ظہر ادا کی اور اس کے بعد علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتے ہو کہ میں مومنوں کے نفسوں پر ان سے زیادہ تصرف کا حق رکھتا ہوں۔

براء کہتا ہے کہ پھر رسولِ خدؐا نے علیؑ کا ہاتھ بلند کر کے فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علیؑ

مولا ہے۔ اے اللہ! تو اس کو دوست رکھ جو اس کو دوست رکھے اور اس کو دشمن رکھ جو اس کو دشمن رکھے۔ براء کہتا ہے کہ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت علیؑ سے ملاقات کی اور عرض کیا یا بن ابی طالب اصبحت و امسیت مولیٰ کلّ مومن و مؤمنۃ۔ اس حدیث میں حضورؐ سب سے پہلے مسلمانوں سے اپنی اولویّت و برتری کا اقرار لے رہے ہیں۔ اس کے بعد قرآن مجید النّبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم میں علی کی اولویّت و برتری کو ثابت کر رہا ہے جس کا معنی خلافت و امامتِ علیؑ ہے۔ اور خلیفۂ ثانی بھی فریاد کر رہا ہے کہ اے علیؑ! مبارک ہو کہ تو ہر مومن و مومنہ کا مولا و آقا ہو گیا ہے۔

اس سے مفصّل حدیث صاحب ناسخ التواریخ نے جزءِ اوّل ص۱۰۵ میں اہل سنّت کے بزرگ عالم ابراہیم بن محمّد حموینی سے بیان کی ہے۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ خلافتِ عثمان میں مسجد کے اندر غدیر خم میں شامل اصحاب کے درمیان مسئلہ غدیر خم کو ثابت فرماتے ہیں اور یا ایّھا الّذین آمنوا اطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرّسول و اولی الامر منکم اور انّما ولیّکم اللہ و رسولہ والّذین آمنوا الّذین یقیمون

الصلٰوۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون کے ضمن میں اپنے حق اور حقانیت کو ثابت کرتے ہیں اور سننے والے بھی اس کا اعتراف و اقرار کرتے ہیں۔ ان میں ایک یہ ہے فقام سلمان فقال یا رسول اللّٰہ الولایۃ ماذا؟ فقال ولاء کولائی من کنت اولیٰ بہ من نفسہ فعلی اولیٰ بہ من نفسہ۔ پس حضرت سلمان فارسیؓ اٹھے اور عرض کی یارسول اللہ! ولایت کیا ہے؟ رسولِ خدا نے فرمایا کہ ولاء میری ولاء کی مانند ہے کہ میں ہر ایک کے نفس پر حقِ تصرّف رکھتا ہوں۔ پس علی بھی اسی طرح ان کے نفسوں پر اولیٰ بالتصرّف ہے۔ اس کے بعد حضورؐ نے نعرۂ تکبیر بلند فرمایا اور کہا کہ میری تمام نبوّت اور تمام دینِ خدا میرے بعد ولایتِ علیؑ ہے۔ ابوبکر اور عمر نے کھڑے ہو کر عرض کی یارسول اللہؐ! کیا یہ آیت علیؑ کے بارے میں ہے؟ حضورؐ نے فرمایا ہاں! یہ آیات قیامت تک میرے اولیاء کے بارے میں ہیں۔ انہوں نے کہا یارسول اللہؐ! اوصیاء کے بارے میں ہمیں آگاہ فرمائیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میری امّت کے درمیان علیؑ میرا بھائی، وزیر، وارث، وصی اور خلیفہ ہے اور میرے بعد ہر مؤمن کا ولی ہے۔ اس کے بعد اس کے دو بیٹے حسنؑ اور حسینؑ اور ان کے

بعد حسینؑ کے نو فرزند ایک دوسرے کے بعد ولی ہوں گے۔ قرآن ان کے ساتھ ہے اور وہ قرآن کے ساتھ ہیں۔ وہ قرآن سے جُدا نہ ہوں گے اور قرآن ان سے جُدا نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ دونوں میرے پاس حوضِ کوثر تک پہنچ جائیں گے۔

یہ حدیث ناسخ التواریخ میں بہت ہی طولانی ہے جو تمام کی تمام ولایت و خلافتِ علیؑ کے اثبات میں ہے۔ ہم نے اس کو مختصر طور پر نقل کر دیا ہے۔

آیتِ انّما ولیّکم اللہ درحقِ علیؑ

ع :۔ الحمد للّٰہ مسئلہ غدیر خم ثابت ہو گیا ہے لیکن کسروی انّما ولیکم اللہ کے متعلق لکھتا ہے کہ یہ آیت صرف علیؑ کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر وہ مومن جو نماز پڑھے اور زکوٰۃ دے اور رکوع کرے وہ مسلمانوں کا ولی اور دوست ہے۔

ح :۔ کسروی کو معلوم نہیں ہے کہ اس آیت کا شانِ نزول علیؑ کے بارے میں ہے اور علماء شیعہ و سُنّی کا اس پر اتفاق ہے۔ ناسخ التواریخ، سنن نسائی، اسباب النزول واحدی، مسند احمد بن حنبل، قوشجی شرح تجرید، مبحث امامت اور کنز العمال جزء سوم ص ۲۱۹ کا مطالعہ کریں۔

ع :۔ کسروی کہتا ہے کہ الّذین یقیمون الصّلوٰۃ ویؤتون الزّکوٰۃ وھم راکعون جمع کے صیغے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ آیت صرف ایک شخص کے بارے میں نہیں ہے۔ بلکہ جو بھی نماز پڑھے اور زکواۃ دے اور رکوع کرے وہ مستحق ولایت ہے۔

ح۔ اوّلاً:۔ نصِّ پیغمبرؐ اور اجماع علماء اسلام کے مقابلے میں کسروی کا اجتہاد غلط اور لغو ہے۔ رسولِؐ خدا نے فرمایا کہ یہ آیت علیؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور علماءِ شیعہ و سُنّی کا بھی اس پر اتفاق ہے۔

ثانیاً:۔ ہم اس آیت کا ترجمہ کرتے ہیں اور گفتۂ کسروی سے تطبیق کرتے ہیں اور پھر نتیجہ کو دیکھتے ہیں۔ خدا فرماتا ہے کہ اے مسلمانو! تمہارا ولی اللہ ہے اس کا رسُول ہے اور وہ مومن ہیں جو نماز پڑھتے ہیں اور حالتِ رکوع میں زکواۃ دیتے ہیں۔

اگر ہم کسروی کے مطابق اس کا عمومی معنی کریں تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ (اے مسلمانو! تمہارا ولی وہ ہے جو نماز پڑھے اور حالتِ رکوع میں زکواۃ دے۔ اگر قیام یا تشہد کی حالت میں زکواۃ دے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ولی ہونے کی شرط صرف حالتِ رکوع میں زکواۃ دینا ہے) لیکن آج تک ایک عالمِ دین نے بھی ایسا ترجمہ نہیں کیا ہے اور نہ ہی ایسی تفسیر کی ہے۔

بنابریں یہ آیت صرف علیؑ کے حق میں ہے اور اس آیت کا شانِ نزول اس طرح ہے کہ ایک سائل

مسجدِ نبوی میں داخل ہوتا ہے لیکن اس کو کسی چیز کے ملنے کی توقع نہیں ہے۔ اتفاقاً مسجد میں حضرت علیؑ نماز پڑھ رہے تھے اس وقت وہ حالتِ رکوع میں تھے۔ سائل کو اشارہ سے آگے بلاتے ہیں اور اس کو اپنی انگوٹھی عطا فرماتے ہیں۔ خدائے مہربان بھی اس کی اس سخاوت کی وجہ سے جبرائیل کے ذریعے یہ آیت نازل کرتا ہے کہ "اے مسلمانو! خدا و رسولؐ کے بعد تمہارا ولی یہی شخص ہے جس کو تم دیکھ رہے ہو کہ نماز پڑھتا ہے اور رکوع کی حالت میں سائل کو انگوٹھی دیتا ہے اس کو اچھی طرح پہچان لو۔

یہ معنی جو ہم نے کیا ہے ایک واضح اور صحیح معنی ہے جس پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔

ثالثاً:۔ ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ معنئ ولایت وہی ولایتِ الٰہیہ ہے جیسے رسولِ خدا ہیں اور ولایت و اولویتِ پیغمبرؐ وہی ہے جو "الذین یقیمون الصلوٰۃ و یؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون" میں ہے۔ پس اگر ہم یہ کہیں کہ وہ تمام لوگ جو نماز پڑھتے ہیں اور حالتِ رکوع میں زکواۃ دیتے ہیں وہ سب رسولِ خدا کی مانند تمام مومنین کے آقا و مولا ہیں اور

ان کے نفسوں پر اولیٰ بالتصرّف ہیں تو یہ بات مضحکہ خیز ہو گی۔

رابعًا:۔ "وہم راکعون" میں واؤ عاطفہ نہیں ہے جیسا کہ کسروی ترجمہ کرتا ہے بلکہ واؤ حالیہ ہے جیسا کہ اہلِ حدیث نے روایت کیا ہے اور علماءِ شیعہ و سُنّی نے تحقیق کی ہے کہ یہ آیت حضرت مولائے متقیان امیرالمومنینؑ کی شان میں اس وقت نازل ہوئی۔ جب اُنہوں نے رکوع کی حالت میں سائل کو انگوٹھی عطا فرمائی۔

کسروی اس واضح نصّ کے مقابلے میں حقِ اعتراض نہیں رکھتا ہے۔ ہاں! البتہ جو صیغۂ جمع کے متعلق اس نے سوال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہر مذہب و ملّت کے لوگ ایک بزرگ شخص کی تعظیم کیلئے جمع کا صیغہ استعمال کرتے ہیں۔ طبرسی نے تفسیر مجمع البیان میں اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ صیغۂ جمع حضرت علیؑ کی تعظیم و تکریم کیلئے آیا ہے۔ اہلِ لغت بھی بر سبیلِ تعظیم ایک شخص کیلئے جمع کا صیغہ لاتے ہیں اور یہ نکتہ کلامِ عرب میں کسی استدلال کا محتاج نہیں ہے۔

عزیزِ من! تم خود آیتِ مباہلہ کو ملاحظہ کرو کہ خداوند عالم نے "اَبناءنا و نساءنا و انفسنا" میں جمع کے صیغہ کو استعمال

فرمایا ہے۔ حالانکہ "ابناء نا" سے مراد حضرت امام حسن و حسین علیہما السلام ہیں اور "نساء نا" سے مراد تنہا حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا ہیں۔ اور "انفسنا" سے مراد صرف حضرت علیؑ کی ذات ہے۔ قرآن مجید اور کلام عرب میں اس قسم کی بہت زیادہ مثالیں موجود ہیں جن کو یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ولی بمعنی آقا و سیّد و امیر ہے

ع :۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ انّما ولیّکم اللہ کی آیت میں ولی کا معنی دوست ہے؟

ح :۔ جب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے تو ہمیں ان کی آقائی و امامت اور اولویّت کا بھی اعتراف کر لینا چاہیئے۔ دوست ہونا اگرچہ اہم بات ہے لیکن کوئی امتیاز و فضیلت کی بات نہیں ہے کہ یہ آیت محبّت کو خدا و رسولؐ اور علیؑ میں حصر فرما دے بلکہ تمام مومنین ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تمام مومنین پر ایک دوسرے کی دوستی فرض ہے۔ یہ حصر کا مقام نہیں ہے۔ اسی بنا پر یہ وہی ولایتِ الٰہی ہے جس کے رسولؐ و امام حامل ہیں آئیہ النّبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم اس کے معنی کی اجنبیّت کو دُور کرتی ہے۔

احادیث

در اثبات خلافت علیؑ

ع :- آیا حدیثِ غدیر کے علاوہ بھی کوئی ایسی حدیث کتب اہلسنّت میں موجود ہے جو خلافت و ولایتِ علیؑ کے بارے میں ہو یا صرف یہی ایک حدیث ہے ؟

ح :- حقیقت یہ ہے کہ اس حدیثِ غدیر کے بعد جو واضح اور متواتر ہے کسی دوسری حدیث کی ضرورت نہیں ہے ۔ لیکن صرف تیمّناً اور تبرکاً اور اربابِ غرض کے دفعِ شبہات کیلئے چند احادیث بیان کرتا ہوں ۔

۱- حدیثِ دار

پہلی حدیث جو حضرت علیؑ کی خلافتِ بلافصل کو ثابت کرتی ہے وہ حدیثِ دار کے نام سے معروف ہے جو ابتدائے دعوتِ اسلام (دعوتِ ذوالعشیرہ) میں دینِ اسلام کے پھیلنے سے پہلے مکّہ مکرمہ

میں وقوع پذیر ہوئی اس وقت خدا وند عالم نے اپنے پیغمبرؐ پر یہ آیت نازل فرمائی۔ وانذر عشیرتک الاقربین کہ اپنے قریبیوں کو ڈرا۔ رسولِ اکرمؐ نے اپنے قریبیوں کو اپنے چچا ابوطالب کے گھر میں دعوت دی جو تقریباً چالیس آدمی تھے اور ان کے درمیان چچا ابوطالب و حمزہ و عباس اور ابولہب بھی موجود تھے۔ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ اے اولادِ عبدالمطلب! خدا کی قسم! کہ میں عرب میں ایسے جوان کو نہیں پہچانتا ہوں کہ جو کچھ میں لایا ہوں وہ اس سے افضل و بہتر اپنی قوم کے لئے لایا ہو۔ میں تمہارے لئے دنیا و آخرت کی نیکی و بھلائی لایا ہوں۔ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اس کی طرف دعوت دوں۔ پس تم میں سے کون ہے جو اس امر میں میرا وزیر اور معاون و مددگار بنے گا۔ حضرت علیؑ جو اُن تمام سے کمسن تھے، عرض کی یا رسول اللہ! میں آپ کا وزیر بنوں گا۔ پس رسولِ خداؐ نے علیؑ کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا کہ یہ علیؑ تمہارے درمیان میرا بھائی اور جانشین ہے۔ اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔ یہ بات سن کر وہ لوگ ہنس پڑے اور حضرت ابوطالب سے کہا کہ محمدؐ نے تجھے فرمایا ہے کہ اپنے بیٹے کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔ (تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۱۷ کامل ابن اثیر)۔

۲- حدیثِ منزلت

یہ حدیث اہلِ سُنّت کے نزدیک متواتر ہے اور مختلف کتب میں کئی طرق سے اس کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ حدیث، حدیثِ مواخات کے ضمن میں بھی مذکور ہے کہ رسُولِ اکرمؐ جب تمام صحابہ کو ایک دوسرے کا بھائی بنا رہے تھے اور خلیفۂ اوّل اور دوم کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا۔ تمام صحابہ کو بھائی بنانے کے بعد حضرت علیؑ تنہا رہ گئے تو علیؑ نے رسُولِ خداؐ سے اپنی اخوت کی تاخیر کا سبب دریافت کیا تو رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ مَیں نے تجھے اپنے لئے چھوڑ دیا ہے اور تُو مجھ سے ایسے ہے جیسے ہارُونؑ موسیٰؑ سے تھا مگر میرے بعد نبوّت ختم ہے۔

اور یہ حدیثِ منزلت غزوۂ تبوک کے بارے میں بہت ہی مشہُور ہے کہ رسولِ اکرمؐ نے اپنے چچازاد بھائی علیؑ کو اپنی طرف سے مدینہ میں ٹھہرا دیا۔ علیؑ نے عرض کی یا رسُول اللہ! مَیں بھی آپ کے ساتھ چلُوں؟ تو حضورؐ نے فرمایا اما ترضی ان تکون منّی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الّا انّہ لا نبی بعدی انّہ لا ینبغی ان اذھب الّا وانت خلیفتی۔ کہ

اَے علیؑ! تو راضی نہیں ہے کہ تو مجھ سے ایسے ہو جائے جیسے ہارونؑ موسیٰؑ سے تھا۔ مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ اے علیؑ! یہ ضروری ہے کہ اگر میں سفر کروں تو تو میرا جانشین ہو جائے۔

۳- حدیث بریدہ

بریدہ روایت کرتا ہے کہ حضرت رسولِ اکرمؐ نے دو لشکر یمن کی طرف بھیجے، ان میں سے ایک پر حضرت علیؑ کو اور دوسرے پر خالد بن ولید کو سردارِ لشکر مقرر فرمایا، اور فرمایا کہ اگر کسی جگہ دورانِ سفر تمہاری آپس میں ملاقات ہو جائے تو امارت علیؑ کی ہو گی اور ملاقات کر کے جدا ہو جاؤ تو پھر اپنے اپنے لشکر کے سردار ہو جاؤ گے۔ بریدہ نے کہا کہ ہم نے اہلِ یمن کے بنی زبیدہ سے ملاقات کی اور ان کے ساتھ جنگ کی اور مسلمان مشرکین پر غالب آ گئے، ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا گیا۔ پس حضرت علیؑ نے ان اسیروں میں سے اپنے لئے ایک عورت کا انتخاب کر لیا خالد نے رسولِ خداؐ کی طرف میرے ذریعے ایک خط ارسال کیا جس میں اس واقعہ کی اطلاع دی گئی تھی۔

بریدہ کہتا ہے کہ میں نے رسولِ خداؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ خط پیش کیا۔ رسولِ خداؐ نے اس خط کو پڑھا تو میں نے دیکھا کہ رسولِ خداؐ کے

چہرۂ مبارک پر غضب کی اور ناراضگی کے آثار ظاہر ہیں۔ تو میں نے عرض کی یا رسولؐ اللہ! کہ میں آپ سے پناہ چاہتا ہوں۔ آپ نے مجھے اس شخص کے ساتھ بھیجا اور اس کی اطاعت کا حکم دیا میں نے اسکی اطاعت بھی کی۔ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ علیؑ کے متعلق بدگوئی و بدزبانی نہ کر۔ علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں اور میرے بعد علیؑ تمہارا ولی ہے۔

(مسند احمد بن حنبل جزء پنجم ص ۳۵۶)۔

وہ حدیث جو طبرانی نے بیان کی ہے اس کے ذیل میں ہے کہ رسولِ خداؐ فرماتے ہیں۔ اے بریدہ! تجھے معلوم نہیں ہے کہ علیؑ کا حق اس کنیز سے زیادہ ہے جس کا اس نے انتخاب کیا ہے اور میرے بعد وہ تمہارا ولی ہے۔ (المراجعات ص ۱۳۶)

پیغمبر و امام اور علم غیب

ع :- مسئلہ ولایت و امامت و خلافت حقیقی حضرت علی علیہ السّلام روز روشن کی طرح واضح ہوگیا ہے۔ لیکن آپ علم غیب کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ کیا یہ درست ہے کہ پیغمبرؐ اور آئمہ ہدیٰ علیہم السّلام غیب جانتے تھے اور تمام اسرارِ خلقت پر آگاہ و مطلع تھے۔

ح :- کسروی نے تمام حقائق کے مقابلہ میں علمِ مخالفت بلند کیا ہے۔ ان میں سے ایک مسئلہ علمِ غیب ہے۔ عزیزِ من! گذشتہ واقعات یا اسرارِ خلقت و دقائق زمین و آسمان اور مافی الضمیر کارہائے پوشیدہ جن کے جاننے سے ہم عاجز ہیں، ان کا شمار علمِ غیب میں ہوتا ہے۔

ہماری تمام معلومات از ارادہ وسائلِ عادی ہیں۔ لیکن وہ پروردگار جو قدیر و خبیر و بصیر اور تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا ہے اس کیلئے کوئی پردہ و حجاب اور غیب نہیں ہے۔ زمانہ حال و ماضی اور مستقبل اس کیلئے برابر ہیں اور وہ تمام حقائق پر محیط ہے۔ پیغمبرؐ کو جو کچھ بھی علم ہے وہ اسی کی تعلیمات کا پرتو ہے۔ بنا بریں پر جس چیز کی بھی رسولؐ خدا

خبر دیں وہ غیب گوئی نہیں ہے بلکہ ان خبروں کا بیان ہے جو حضرت شدید القویٰ (خداوند عالم) سے سُنا ہے مثلاً راجع باخبارِ گذشتہ سُورۃ یُوسفؑ کو خداوند عالم نازل فرماتا ہے اور اس شیریں اور خوبصورت واقعہ کی اپنے حبیبؐ کو خبر دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ ذالك من انباء الغیب نوحیہ الیك۔ یہ قصّہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم نے وحی کے ذریعے آپ کو بتایا اور خداوند عالم سورۃ منافقین کو بھی نازل فرماتا ہے اور اہلِ نفاق کے رازہائے پوشیدہ کو رسُولؐ پر ظاہر فرماتا ہے اور اسی طرح لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین کہ تمام نکاتِ دنیا وجہانِ تکوین کے سوانح و آئندہ احکام اسلام و عوالم غیبیہ و تمام اوضاع بعد از مرگ و عالم آخرت اور روزِ قیامت جو قرآن مجید کے ظاہر و باطن میں موجود ہیں کاروانِ البشر کو رہنمائی کی تعلیم دیتا ہے۔ الزجاجۃ کانھا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ و لا غربیۃ یکاد زیتھا یضئ ولو لم تمسسہ نار نور علیٰ نور ظاہراً کسروی جب ان آیات پر پہنچے گا تو اندھا ہو جائے گا۔

اسی طرح علیؑ اور اولادِ علی علیہم السّلام کی معلومات کو بھی ہم غیب کا نام نہیں دیتے ہیں بلکہ تعلیماتِ خدا و پیغمبرؐ کی منتقلی کو کہتے ہیں۔ جو کچھ بھی رکھتے ہیں وہ خدا و رسُولؐ کی طرف سے ہے اور جو کچھ فرمایا

ہے لوحِ محفوظ اور کتاب خدا سے فرمایا ہے اور جو کچھ لائے ہیں وہ منبعٔ نورانیت اور چشمۂ فیوض و برکات سے حاصل کیا ہے ۔

ہم بھی کہتے ہیں کہ بغیر وسائل کے اسرار و حقائق تک رسائی ممکن نہیں ہے ۔ فرق صرف اتنا ہے کہ عام لوگوں کے لئے عام وسائل ہیں ، اور خداوند عالم کی برگزیدہ ہستیوں کے پاس فوق العادہ وسائل ہیں ۔ یعنی وہ برگزیدہ بندوں کی لامحدود کمک اور رہنمائی کرتا ہے جس سے ان کو علم غیب اور حقائقِ امکانِ عالم پر مسلّط و محیط قرار دیتا ہے ۔

ع :۔ کسروی اپنے دعویٰ کے اثبات کیلئے قل لا یعلم الغیب الّا اللہ کی آیت بطور دلیل پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ سوائے خدا کے کوئی بھی عالم الغیب نہیں ہے اور دوسرا ولا اعلم الغیب کی آیت لکھتے ہوئے کہتا ہے کہ پیغمبرؐ اپنے علم غیب کی خود نفی کر رہا ہے ؟

ح :۔ ان کے مقابلہ میں بہت سی محکم و مثبت آیات بھی ہیں مثلاً فلا یظھر علیٰ غیبہ احداً الّا من ارتضیٰ من رسول کہ خدا اپنے غیب پر مطلع نہیں کرتا مگر اپنے برگزیدہ پیغمبرؐ کو ۔

یہ آیت رسولِ اکرمؐ کے علم غیب پر صریحاً دلالت کرتی ہے اور آیۂ شریفہ ذالک من انباء الغیب نوحیہ الیک اور دیگر آیات بھی اس پر دال ہیں ۔ یہ دو آیات باکمال صراحت ہمارے مقصود و مرام کو

ثابت کرتی ہیں اور وہ ذاتِ مقدس جو بدونِ واسطہ و وسیلہ اسرار و حقائق دنیا پر محیط ہے وہ خدائے یکتا ہے جس نے تمام دنیا کو پیدا کیا ہے اور وہ حقیقتاً بالاستقلال عالم الغیب ہے۔ لیکن دوسروں کا علم الغیب تعلیمات و اخبارِ الٰہی کے واسطہ و وسیلہ سے ہے۔

دوسری دلیل جو ہمارے عقیدہ کو واضح تر کرتی ہے اور کسروی کی رد کرتی ہے وہ حضرت عیسٰیؑ کا غیب جاننا ہے۔ چنانچہ خداوند عالم حضرت عیسٰیؑ کی زبان سے ہی فرماتا ہے وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون حضرت عیسٰیؑ فرماتے ہیں کہ میں تم کو بتلا دیتا ہوں جو کچھ اپنے گھروں میں کھایا کرتے ہو اور جو کچھ رکھ آتے ہو۔ اس معجزہ کا بھی حضرت عیسٰیؑ کے معجزات میں شمار ہوتا ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ یہ سب کچھ تعلیم الٰہی کا نتیجہ تھا۔ لیکن کسروی نے اپنے دعوٰی کے اثبات کے لئے ان تمام آیاتِ قرآنی سے چشم پوشی کی ہے۔

حضرت صادقِ آلِ محمد (ع)

ع :۔ جو کچھ آپ نے فرمایا ہے وہ تمام واضح اور روشن ہے اس میں تردید و اشکال کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ نامعلوم اس کے باوجود کسروی نے بُغض و عداوت کے عَلَم کو کیوں بلند کیا ہے اور ایرانیوں کو کیوں بے آبرو کرتا ہے۔

اس کی مخالفت و کج روی لامحدود و بے اندازہ ہے۔ اس نے کتاب "التشیع والشیعہ" اور کتاب "گفت و شنید" میں آئمہ ہدیٰ علیہم السلام خصوصاً حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کی طرف کیسی غلط و بے بنیاد باتیں منسوب کی ہیں جن کو ایک شریف آدمی پڑھنے میں بھی شرم محسوس کرتا ہے اس لئے میں ایسی باتوں کو زبان پر نہیں لانا چاہتا۔ اگر آپ اجازت مرحمت فرمائیں تو اس کے اعتراضات کو بیان کروں؟

ح :۔ نقلِ کُفر، کُفر نباشد۔ اس کے تمام اعتراضات بیان کرو اور اس کے جواب سُن کر لوگوں تک پہنچاؤ تاکہ سادہ لوح حضرات اسکی کذب بیانی اور بہتان تراشی سے ہوشیار رہیں۔

ع :۔ وہ کتاب التشیع والشیعہ اور کتاب گفت و شنید میں لکھتا ہے کہ

امام جعفر صادق علیہ السّلام نے اپنے زمانے میں اپنے بیٹے اسمٰعیل کو اپنا جانشین قرار دیا تھا لیکن اسمٰعیل باپ سے پہلے فوت ہو گیا۔ امامؑ نے دیکھا کہ یہ تو بہت بُرا ہُوا۔ اب شیعہ متزلزل و پریشان ہو جائینگے اور ان کا عقیدہ ضعیف و کمزور ہو جائیگا تو اُنہوں نے اپنے شیعہ کو فرمایا بداء اللہ فی امر اسماعیل یعنی خدا اسمٰعیل کے بارے میں پشیمان ہے اور اس نے اب میرا جانشین موسیٰ (کاظمؑ) کو مقرر فرما دیا ہے کسروی کہتا ہے کہ امام ششمؑ نے اپنے مقام امامت کی حفاظت کے لئے پشیمانی کی نسبت خدائے بزرگ کی طرف دی ہے تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ امام غیب نہیں جانتا۔

ح۔ کسروی بے شرمی کے ساتھ ہمارے امام بزرگوار پر تہمت لگا رہا ہے اور دروغ گوئی کر رہا ہے۔ شیعہ کی کسی حدیث اور تاریخ کی کسی کتاب میں اس روایت کا وجود ہی نہیں ہے۔ امامؑ نے ہرگز اسمٰعیل کے بارے میں کوئی نص نہیں فرمائی۔ ہماری کتب دنیا کے گوشہ گوشہ میں دستیاب ہیں۔ لوگ ان کتابوں کو حاصل کر کے مطالعہ کریں۔ اور اس گستاخ شخص کی ظلم و تعدّی کو ملاحظہ کریں۔ یہ بات اس نے ہماری کتب کے برعکس لکھی ہے۔

علّامہ مجلسی علیہ الرحمہ حالاتِ امام جعفر صادقؑ علیہ السّلام میں تحریر

فرماتے ہیں کہ یہ درست ہے کہ امام ششم بیٹا ہونے کی وجہ سے اپنے بیٹے اسماعیل سے محبت کرتے تھے۔ لیکن کئی مرتبہ اس سے اظہارِ ناراضگی بھی فرمایا ہے۔ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ "ابلیس اسماعیل کی شکل میں آیا ہے لیکن موسٰی (کاظمؑ) کی شکل میں نہیں آسکتا"۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کا یہ جملہ حضرت باب الحوائجؑ کی امامت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اسماعیل کی امامت کی صریحاً نفی کرتا ہے۔

فونٹند! اب تفصیل کا موقع نہیں ہے تم خود بحار الانوار کا مطالعہ کرکے ہماری بات کی صحت اور کسروی کے دروغ بے دروغ کو ملاحظہ کرو۔

معنیٔ نسخ و بداء

دوم:۔ یہ کہ لفظ "بداء" خداوند عالم کے بارے میں معنیٔ پشیمانی نہیں ہے۔ چنانچہ علماءِ اعلام فرماتے ہیں کہ اس کا معنی اظہار ماخفی یعنی پوشیدہ امُور کا اظہار ہے۔ لوگوں نے اسماعیل کے بڑا ہونے کی وجہ سے یقین کرلیا تھا کہ یہ اپنے باپ کی وفات کے بعد شیعوں کا امام ہوگا۔ لیکن ان پہ حقیقت مخفی و پوشیدہ تھی خداوند عالم نے اس کی موت کے ذریعے اصل حقیقت کو ظاہر کردیا تو لوگوں کو علم ہوگیا کہ دراصل امام اور جانشینِ امام حضرت امام موسیٰ بن جعفر علیہ السّلام ہی تھے نہ کہ اسماعیل تھا۔ یہ ہے بداء کا مختصر سا معنی۔ اس قسم کے موارد میں خدائے واحد و خبیر کی طرف (بداء کے معنی کا) پشیمانی کی نسبت دینا امام ششم کی تعلیمات اور احکام کے مطابق غلط اور گستاخی ہے۔

معنیٔ نسخ یہ ہے کہ مثلاً خداوند عالم نے حضرت آدمؑ کی شریعت کو حضرت نوحؑ کے زمانے تک قرار دیا ہے اور اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کی شریعت کو حضرت رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی بعثت تک

مقرر فرمایا ہے یا یہ کہ فلاں آیت کے حکم کو فلاں دن تک معیّن فرمایا ہے اور اس کے بعد دوسری آیت کے ذریعے دوسرا حکم یا دوسرا قانون جاری فرما دیا ہے۔ خداوند عالم اس قسم کے تغیّر و تبدّل سے قبل از یں مکمّل طور پر واقف تھا اور اس کے علم و ارادہ میں تبدیلی محال ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ اپنے بندوں کی طرح ہر زمانے میں اس کی رائے تبدیل ہو جائے اور اس پر اس امر کا فساد واضح ہو جائے اور اس کی نظر میں کسی دوسرے حکم کی درستی راجح ہو جائے۔ آخر کار وہ گذشتہ شریعت یا گذشتہ احکام کو نسخ فرما دے اور تجدید ِ اثر سے کوئی دوسرا پیغمبر یا جدید قانون بھیج دے (نعوذ باللہ)۔

سب سے پہلا مذہب جس نے اس عقیدہ کو باطل کیا ہے وہ مذہب جعفری ہے۔ اسی بنا پر فلاں شریعت کی مدّت کا پورا ہونا اور فلاں آیت کے حکم کا ختم ہونا اور زمانے کے مطابق اس کی تبدیلی اور دوسری شریعت کے ساتھ انسان کی استعداد و آمادگی اور دیگر احکام کو اصطلاح میں نسخ کا نام دیا گیا ہے۔

اس کی تفصیل مجمع البحرین مادۂ بدا میں ملاحظہ فرمائیں۔ بعض علماء بھی نسخ کو انبیاء کے معجزات میں شمار کرتے ہیں مثلاً عصاء ِ موسیٰؑ

اور ید بیضا کو احیاء موتیٰ اور حضرت عیسیٰؑ کی دوسری خارق العادات چیزوں نے نسخ کر دیا ہے اور قرآن مجید نے تمام انبیاء کے خارقِ عادات کو نسخ فرمایا ہے۔ لیکن اعجازِ قرآن نسخ ہونے والی چیز نہیں ہے وہ قیامت تک باقی رہے گا۔

امامت اور نوکِ نیزہ

س :۔ کسروی کہتا ہے کہ اگر حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام اور دوسرے آئمہؑ اپنے آپ کو مستحقِ امامت و خلافت سمجھتے تھے تو اُنہوں نے تلوار کیوں نہیں اُٹھائی (جنگ کیوں نہیں کی) جب اُنہوں نے جنگ نہیں کی تو اپنے آپ کو امام اور جانشینِ پیغمبر کیوں کہتے ہیں ؟

ج :۔ ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ امامت و خلافتِ الٰہی جنگ اور خونریزی کا نام نہیں بلکہ ناموسِ دین کی حفاظت اور مسلمانوں کی تربیتِ روحانی کا نام ہے اور آئمہؑ نے اس کام کو مکمل طور پر انجام دیا ہے۔ حضرت صادق آلِ محمّد علیہ السّلام کے درس اور تعلیمات کو جو تاریخ نے اپنے اندر محفوظ کر دیا ہے کیا کسروی ان کا انکار کر سکتا ہے ؟

بعض علماءِ اہلِ سنّت کے بقول چار ہزار علماء نے امام جعفر صادق علیہ السّلام سے فیض حاصل کیا ہے بہلول بہجت آفندی شافعی قاضی زنگہ زوری

اپنی کتاب کے صفحہ ۱۲۸ پر لکھتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کی جلالتِ قدر اور عظمتِ شان دائرہ تقریر و تحریر میں نہیں سما سکتی۔ آنحضرتؑ کے علم و عرفان کا درجہ اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ جابر بن حیّان الصّوفی نے جو صادقِ آلِ محمدؐ کے خاص شاگردوں میں سے ہے ان سے اتنا علم حاصل کیا کہ جو پانچ سَو رسالوں پر حاوی ہے۔ غور فرمائیں! جب حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کے ایک شاگرد کے ماخوذات اسقدر رہیں تو باقی تمام صحابہ و توابع کے ماخوذات کسقدر رہوں گے۔

شیخ ابو عبدالرحمٰن السّلمی "طبقات المشائخ" میں فرماتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام اپنے تمام ہم عصروں سے ارفع و اعلیٰ تھے اور وہ دین میں علم فراواں و دنیاداری میں زہد فوق العادہ و خواہشاتِ نفسانی میں ورع تام اور حکمت میں بلند مقام کے مالک تھے۔

اور مقتدائے اربابِ تصوّف اور پیشوائے مشائخِ طریقت ابا یزید بسطامی کہتے ہیں کہ میں نے پورے ننانوے اساتذہ کی خدمت کی ہے۔ اگر میں امام جعفر صادق کو نہ دیکھتا تو بے ایمان قبر میں چلا جاتا۔

امامؑ کے اس بحرِ علم و حکمت کو ظالم و جابر لوگوں نے پھیلنے سے روک دیا۔ اسی بنا پر یہ لا متناہی فیوضات صرف آپ کی اولاد اور تابعینِ خاص میں رہ گئے ہیں۔

منصور نے ابو حنیفہ کو ایک جھگڑے کے فیصلے کیلئے دعوت دی لیکن ابو حنیفہ نے اس کو رد کر دیا۔ ابو حنیفہ کے شاگرد ابو یوسف نے اپنے استاد سے منصور کی خواہش کو رد کرنے کی علت کے بارے میں سوال کیا تو ابو حنیفہ نے جواب دیا کہ احکام شرعیہ ایک بحر عمیق ہے۔ ابو یوسف نے کہا کہ بحر عمیق کو علم کے سفینہ سے شق اور پار کرنا چاہیئے ابو حنیفہ نے کہا کہ سفینۂ علم ہم نہیں ہیں بلکہ سفینۂ علم علماء اہل بیت ہیں اور اس سفینے کے ملاح حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں۔

سبحان اللہ! کسروی نے بھی کتاب "شریعت احمدی" میں کسی قدر اس معنی کا اعتراف کیا ہے۔ خصوصاً اس نے شیعہ کے تمام آئمہ کی تعریف بھی کی ہے۔

آئمۂ حق

اور

خلفاءِ جور

ع:۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام یا دیگر ہمارے آئمہ شیعوں کے سامنے اظہارِ امامت فرماتے تھے اور لوگوں کو اپنی ولایت و معرفت کی طرف دعوت دیتے تھے اور اپنے آپ کو خلیفہ و جانشینِ پیغمبرِ اکرمؐ اور دوسروں کو غاصب سمجھتے تھے۔ لیکن وہ بنی اُمیہ و بنی عباس کے سامنے کیوں انکار کرتے تھے اور ان کی پیروی کا اظہار کرتے تھے۔

ح:۔ فرزند! ہمارے آئمہ علیہم السّلام کے اقوال و افعال میں بالکل تناقض و تضاد نہیں ہے۔ اُنھوں نے ہر دو مقام پہ جو کچھ فرمایا ہے صحیح فرمایا ہے۔ اُس جگہ کہ جہاں وہ لوگوں کو اپنی طرف دعوت دیتے تھے ان کا مقصد یہ تھا کہ ہم جانشینِ رسولؐ اور امام مسلمین ہیں۔ ہم علماءِ اُمت اور فقہاءِ دین ہیں۔ ہم علم الٰہی

کے امین اور محافظِ ناموسِ الٰہی ہیں اور ہم ہی اولیاءِ حق ہیں۔ لوگوں کو چاہیئے کہ وہ علم و شریعت ہم سے سیکھیں اور احکامِ خدا ہم سے حاصل کریں کیونکہ ہمارے علاوہ تمام لوگ معرفتِ دین اور احکامِ حضرت سیّد المرسلینؐ سے جاہل و بے علم ہیں۔ ہم اپنے جدِّ بزرگوار کے تربیت یافتہ ہیں اور پروردگارِ عالم کی وحی کے حامل ہیں۔ لوگوں کو چاہیئے کہ وہ جس چیز کے محتاج ہوں وہ ہم سے سیکھیں۔

یہ باتیں صرف اپنے شیعوں کے سامنے ہی بیان نہیں کیں بلکہ ابوحنیفہ اور دیگر ہم عصر بزرگوں کے سامنے بھی واضح فرماتے رہے تھے[1] اور خلفاء بھی اس قسم کے اقوال و اظہارات سے آگاہ تھے اور بعض لوگوں مثلاً مامون نے بھی اعلانیہ اس کا اعتراف کیا ہے[2]۔

---

[1] ایک روز حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اپنی ریش مبارک کو سونگھ رہے تھے۔ ہارون نے حسد کی وجہ سے کہا کہ کیا آپ اپنی ریش سے بوئے خلافت سونگھ رہے ہیں؟ امام فوراً جواب میں فرماتے ہیں نہیں بلکہ بوئے نبوت کو سونگھ رہا ہوں۔ (تاریخ آلِ محمد ص ۱۲۴)

[2] شام کے منبر پر حضرت امام زین العابدینؑ کا خطبہ مشہور و معروف ہے۔ شامیوں کے قیدی اور علیل و مریض ہونے کے باوجود فاسق و فاجر و ظالم یزید کے سامنے اپنے مقام و رتبہ کا کس طرح تعارف کرایا اور اپنے خاندان کی بزرگی و اولویت اور برتری کو مجمعِ عام میں ثابت فرمایا تھا

اور وہ جن چیزوں کا خلفاء کے سامنے انکار کرتے تھے وہ ان باتوں کے علاوہ ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام منصُور کے سامنے اور حضرت امام موسیٰ بن جعفرؑ ہارون کے سامنے فرماتے تھے کہ ہم تمہارے خلاف جنگ نہیں کریں گے اور لوگوں کو تمہارے خلاف برانگیختہ نہیں کریں گے۔ ہم جنگ کرنے کے خیال میں نہیں ہیں اور تمہاری حکومت کو حاصل کرنے کا ہمارا کوئی ارادہ نہیں ہے۔

اگر کسروی اپنی تمام تر قوت و طاقت جمع کرکے شیعہ کتب کا مطالعہ کرکے اور تاریخِ اسلام کو بغور پڑھے اور ایسی ایک روایت بھی تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاتا۔ جس میں یہ موجود ہو کہ آئمہ ہدیٰ علیہم السّلام حکمرانی اور ہنگامہ آرائی کی فکر میں تھے اور شیعوں کو جنگ کرنے کی دعوت دیتے تھے تو ہم اس مقام پر اس کی بات کو تسلیم کریں گے۔ لیکن انشاء اللہ ہمارے آئمہؑ کے اقوال و افعال میں کبھی تناقض و تضاد نہیں دیکھا جا سکے گا۔ ہر جگہ پر ان کے اظہارات حقیقت رکھتے ہیں۔ ابوالفتح شہرستانی الملل والنحل میں حضرت امام ششمؑ کا اسم مبارک لاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

وھو ذو علم غزیر فی الدّین و ادب کامل فی الحکمۃ و زھد بالغ فی الدّنیا و ورع تام عن الشّھوات

وقد اقام بالمدینة مدة یفید الشیعة المنتسبین الیه ویفیض علی الموالین له اسرار العلوم۔ ثمّ دخل العراق واقام بها مدة ما تعرض للامامة (ای السلطنة) قطّ ولا نازع احداً فی الخلافة ومن غرق فی بحر المعرفة لم یطمع فی شطّ ومن یعلی الیٰ ذروة الحقیقة لم یخف من حط۔

یعنی حضرت امام جعفر صادقؑ علیہ السّلام بے پایاں علم و بلندیٔ زہد و پاک دامنی اور ادب کامل کے مالک ہیں۔ وہ کافی مدّت مدینہ میں رہے اور اپنے موالی وشیعہ کو معرفت کے اسرار سکھاتے رہے۔ اسکے بعد آپ عراق تشریف لے گئے اور وہاں قیام فرمایا۔ وہاں پہ کبھی بھی حکومت سے تعرض نہیں کیا اور کسی سے خلافت کے بارے میں جھگڑا نہیں کیا ہاں! جو دریائے معرفت میں غرق ہو وہ کنارے کی طمع نہیں کرتا، اور جو حقیقت کی چوٹی پر قدم رکھتا ہے وہ وہاں سے گرنے سے نہیں ڈرتا۔

علماءِ عامہ اور بزرگانِ تاریخ کا ہمارے آئمہؑ کے بارے میں یہ اعتراف ہے لیکن لوگ ان کے ساتھ کس قدر بغض و عداوت رکھتے ہیں؟

حضرت امام رضاؑ اور مامون

ع :۔ کسروی کتاب "اَلتّشیع والشیعہ" میں لکھتا ہے کہ جب مامون حضرت امام رضا علیہ السّلام کی خدمت میں تختِ خلافت پیش کرنا چاہتا تھا تو اُنہوں نے کیوں قبول نہیں فرمایا۔ حالانکہ وہ اپنے آپ کو مستحق خلافت سمجھتے تھے اور مامون کے اصرار کے باوجود اُنہوں نے لاتعلقی کا اظہار کیوں کیا؟

ح :۔ حضرت امام رضا علیہ السّلام جو اپنے زمانے کے عظیم الشّان دانشمند اور رسولِ خدا کی محبّت و شفقت کے مظہر تھے اُنہوں نے عباسی تختِ خلافت کو متزلزل کر دیا اور ان کی ظالم حکومت کو تحدید فرماتے تھے۔ اگرچہ آپ ریاست و حکومتِ ظاہری کے خواہاں نہیں تھے بلکہ بنی ہاشم کے افراد کو بھی اُنہوں نے اس سے منع فرما دیا تھا۔ لیکن ان کی سیادتِ معنوی اور ان کے علم و تقویٰ و فضیلت و کرامت نے خلیفۂ عباسی کو

اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ مامون نے چاہا کہ وہ اپنے باپ ہارون کی سیاست و تدبّر کے خلاف قدم اٹھائے اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کے قتل و قید کی وجہ سے خلافتِ عباسی کے دامن پر جو دھبّہ پڑا تھا اس کو دھو ڈالے۔ اسی ضمن میں اس نے پیکرِ امامت پر ایک کاری ضرب لگائی لہٰذا قبل اَز خلافت کو حضورؑ کی خدمت میں تقدیم کیا۔

تمام خلفاء خصوصاً مامون کو اس بات کا احساس تھا کہ اس کی ظالم حکومت اپنے مظالم و فسق و فجور کی وجہ سے متزلزل ہو چکی ہے اور اس کی ظاہری شان و شوکت امام رضا علیہ السّلام کی حقیقی شان و شوکت کے سامنے کوئی وقعت نہیں رکھتی اور دوسری طرف اولادِ علیؑ کا شجرِ روحانیت حضرت امام رضا علیہ السّلام کی وجہ سے مدینہ منوّرہ میں مضبوط ہو رہا ہے۔ لہٰذا اس نے امام ہشتم کو آزادی و حریّت کے مرکز اور اپنے آباء و اجداد کے شہر مدینہ منوّرہ سے نکال کر اپنی زیرِ نگرانی مرو اور طوس میں قید کر دیا۔

لیکن خلافت کی پیشکش ہرگز حقیقت نہیں رکھتی تھی یہ صرف حضرتؑ کا امتحان لینے کے لئے پیشکش کی گئی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ ان کی گہرائیوں سے باخبر ہو جائے۔ حضرت امام رضا علیہ السّلام

اس کے ارادے کو بخوبی جانتے تھے اور مسلسل اعلانیہ حکومت ظاہری کی باگ ڈور سنبھالنے سے بیزاری کا اظہار کرتے رہے۔ مامون کے بہت زیادہ اصرار کے بعد مجبوراً ولی عہدی کو قبول کیا وہ بھی اس شرط پر کہ ہم آزاد رہیں گے اور حکومت و مملکت کے کاموں میں کسی قسم کی دخل اندازی نہیں کریں گے۔ امامؑ کی اسی تدبیر نے مامون کے سوءِ ظن کو حُسنِ ظن میں تبدیل کر دیا۔ اگر وہ خلافت کو قبول فرما لیتے تو وہ فوراً پھانسی پر لٹکا دیئے جاتے اور خداوند عالم کا مقصدِ حقیقی انجام پذیر نہ ہوتا۔ چنانچہ بہت ہی مختصر مدّت میں انتہائی سُرعت کے ساتھ ایران کے شرق و غرب میں ان کی عزّت و عظمت کا سکّہ بیٹھ گیا، مامون کے زہر آلود انگور یا مسموم آب انار نے اپنے کام کو انجام دیا۔

اسی بنا پر مامون کا حضرت کی خدمت میں خلافت پیش کرنا از راہ مکر و فریب تھا اور حضرت امام رضاؑ کا اس کو قبول نہ کرنا ان کے حقیقی علم و حقیقی تدبّر کا نتیجہ تھا۔ خلیفۂ عباسی نے جو جبر و اکراہ کے ساتھ اپنی ولی عہدی ان کے سپرد کی تھی وہ صرف اس لئے تھی کہ مسلمانوں کی نظر میں امام کی عزّت و عظمت گر جائے اور ان کا مقام بزرگی و زہد و تقویٰ ختم ہو جائے۔ اور اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ نمائندۂ علوی بھی نمائندہ عباسی کی طرح عیش و عشرت میں مشغول ہو جائے اور اسی مادی وسیلہ

سے شیعہ کی عزت و عظمت کو ختم کر دیں۔ لیکن امام رضا علیہ السلام سیاستِ آسمانی کے منبع اور خداوند عالم کے بیش قیمت دین کے محافظ تھے ۔ اور دنیا دار لوگوں کی خرافات و لغویات کی پرواہ تک نہ کی اور اپنے اجداد طاہرینؑ کے نقش قدم پہ گامزن رہے۔

جب مامون نے اپنے اقدامات کو بے نتیجہ اور اپنی تخم ریزی و ریشہ دوانیوں کو بے ثمر اور بے سود پایا بلکہ ظالم خلافت اور با اقتدار حکومت و سلطنتِ عباسیہ کو حضرت غریب الغرباء کے مقابلے میں مغلوب اور اپنی تدابیر کو علی بن موسیٰ الرضاؑ کے دستِ تدبیر و سیاست میں مغلول و مقید دیکھا تو مجبوراً انگوروں کا طشت یا آبِ انار کا پیالہ حضرتؑ کی خدمت میں پیش کیا اور زہر دیکھنے اور سُننے والے کو رُلا دیا۔

بعض لوگ مامون کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ عباسیہ نے اس وجہ سے کہ مامون نے علویوں کے ایک شخص کو اپنا ولی عہد قرار دیا اور ممکن ہے کہ یہ خلافت جلد از جلد ان سے اولادِ علیؑ کی طرف منتقل ہو جائے وہ مامون کے مخالف ہو گئے اور ابراہیم عباسی کو بغداد میں خلافت کے لئے منتخب کر لیا۔ لہٰذا مامون سے ان کی مخالفت کی وجہ سے مجبوراً یہ گناہِ عظیم سرزد ہوا۔ ورنہ وہ ذاتی طور پہ آنحضرتؑ کو دوست رکھتا تھا اور ان سے عقیدت و ارادت رکھتا تھا۔ ان کے علم و کمالات کا

عاشق و گرویدہ تھا بلکہ ظاہر و باطن اس کا عقیدہ ان کے شیعوں کے مطابق تھا اور آئمہ حق کی تقدیس و بزرگی کا معترف تھا۔ چنانچہ آنحضرت کی شہادت کے بعد اس نے اپنی لڑکی کا نکاح حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے کر دیا اور اس کے ذریعے اس نے خانوادۂ عصمت و طہارت سے دوبارہ تعلق پیدا کر لیا۔ (واللہ اعلم)

حضرت امیر المومنینؑ اور سیاست

ع:۔ حضرت امیر المومنینؑ نے کس سبب سے دوسرے خلفاء کی طرح بزرگانِ قبائل اور بہادرانِ اسلام کو اپنے آپ سے راضی نہیں رکھا تاکہ حکومت ان کی اولاد میں بھی باقی رہتی؟

ح:۔ عزیزِ من! جیسا کہ میں نے کہا ہے کہ مکر و فریب، صاحب سلامت و چاپلوسی اور ظلم و ترس علیؑ جیسی شخصیت کے حق میں نقص تھا اور خلافتِ حقیقی اور نمائندگیٔ الٰہی کے لئے مناسب نہیں تھا۔ حضرت علیؑ بذاتِ خود جانتے تھے کہ معاویہ کی معزولی طلحہ و زبیر کی خواہشات کی رد اور ایران کے خدا پرست لوگوں

کو قریب کرنے سے سردارانِ عرب کے غصّے کی لہر دوڑ جائے گی لیکن دروغ وگزاف ، حیلہ و چاپلوسی آنحضرتؐ کی شان کے لائق نہیں تھی۔ علیؑ کی سیاست اپنے لئے نہیں تھی بلکہ حقیقت کے لئے تھی ، کیونکہ علیؑ نمائندۂ حقیقت تھے۔ وہ خلافت کو اپنے لئے چاہتے تھے۔ کیونکہ اپنے آپ کو مسلمانوں کیلئے چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان اخلاقِ الٰہی اور تعلیماتِ آسمانی سے آشنا ہو جائیں اور راستی و درستی، عدل ومساوات کرم وشجاعت ان کی ہمیشہ کی عادت ہو جائے تاکہ ان کی جہانبانی اور سیادت محکم و برقرار اور پائیدہ وابدی رہے۔ علیؑ تربیت شدۂ خدا و پیغمبرؐ تھے۔ وہ یہی چاہتے تھے کہ لوگوں کی اپنی طرح کی تربیت کریں اور ہزارہا لوگوں کی اپنی طرح جامعۂ اسلام کے درمیان اخلاق وایمان میں پرورش کرے۔ لیکن افسوس ! کہ خود پسند اور ہوا پرست لوگوں نے ان کی قدر شناسی نہیں کی اور اسلام اور اہلِ اسلام کے حقوق کو ضائع کر دیا۔

ہاں ! علیؑ کے حق کے ضائع ہونے سے اسلام کا حق ضائع ہو گیا اور ذلّت کی خاک مسلمانوں کے سروں پہ ڈالی گئی۔

پیغمبرؐ و امامؑ اور خرقِ عادت

ع :- کسروی کہتا ہے کہ عقل معجزہ پر یقین نہیں کرتی ہے اور خرقِ عادت دائرۂ تعقل سے خارج ہے۔

ح :- جو عقل خداوند عالم کی قدرت نمائی پر یقین نہیں کرتی وہ صرف کسروی کی عقل ہے۔ تعجب ہے کہ وہ خدا جس نے طبیعت کو اپنے قوی ارادہ اور محکم بصیرت سے پیدا کیا ہے وہ فوق العادہ چیزوں کو ایجاد نہیں کر سکتا۔ کیا طبیعت خدا کے ارادے پر غالب آگئی ہے یا خداوند عالم کا ارادہ و قدرت معدوم ہو گئے ہیں؟

لیکن یہ بات نہیں ہے بلکہ وہ خدائے واحد اپنی مخلوقات پر پوری طرح قادر اور مسلط ہے۔ جو لوگ ہمارے عقیدہ پر یقین نہیں کرتے یہ ان کی عقل کی نارسائی کا نتیجہ ہے ورنہ عقل اس سے انکار نہیں کرتی۔ محال عقلی ممتنع عادی کے علاوہ ہے۔ مثلاً ایک چیز کا بغیر صانع کے خود بخود وجود میں آجانا یہ عقلاً ممتنع ہے اور حادث کا قدیم کے مقام تک ترقی کرنا اور قدیم کا حادث کے

مرتبہ تک تنزّل کرنا بھی عقلاً ممتنع ہے۔ ایک پتھر جس کو انسان اپنے ہاتھ سے تراش کر اس کا نام بُت و صنم رکھتا ہے، یہ عقلاً محال اور ممتنع ہے کہ وہ تراشا ہوا پتّھر نوعِ انسان کا رب ہو جائے یا عابد و معبود کے درمیان واسطہ و وسیلہ بن سکے۔

پانچ گز کے کمرہ کو انڈے ہیں، کمرے کو چھوٹا کئے یا انڈے کو بڑا کئے بغیر جگہ دینا عقلاً محال اور ممتنع ہے۔ اگر کسی کے پاس یہ طاقت ہو کہ کمرے کو کسی چیز میں کمی کرنے کے بغیر چھوٹا کر دے یا انڈے کو اندازے سے زیادہ بسیط و کشادہ کر دے اور کمرے کو اس انڈے کے اندر رکھ دے۔ اگرچہ یہ عادتاً محال نظر آتا ہے لیکن عقلاً ممکن ہے۔ بلکہ یہ ایک عجیب و غریب صنعت متصور ہوگی۔ اما جس چیز کو ہم معجزہ اور خارقِ عادات کا نام دیتے ہیں اسی کے مشابہ ہے (و للہ المثل الاعلیٰ) معجزہ واقعاً علم و احاطہ و قدرت کا اثر ہے کہ اس کے وسائل ہم پر مخفی ہیں اور ہمارے دائرہ قدرت سے باہر ہیں اور سوائے نمائندہ خداوند عالم کے کہ جو نوامیسِ طبیعت سے آشنا ہے اور وہ اسی کے فرمان کے تحت نفاذِ حق کا اقدام کرتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی دوسرے کو ایسے کام کی قدرت و طاقت نہیں ہے۔

اب ہم حقیقتِ معجزہ کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔

مثلاً ہم یہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی ایران میں بیٹھ کر بات کرتا ہے تو نبی اور امام اس کی بات مدینہ میں سُنتا ہے۔

کسروی پہلے کہتے تھے کہ یہ بات ناقابلِ یقین ہے اور عقلاً محال ہے کہ ایک آدمی سینکڑوں میل کے فاصلہ سے ایک عام آواز کو سُن سکے۔ لیکن جب سے ریڈیو، وائرلیس اور دیگر لاسلکی نظام ایجاد ہوئے ہیں اُنہوں نے ہمارے امکان اور عقیدے کو ثابت کر دیا ہے کہ ایسا ممکن ہے۔

خداوند عالم فرماتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام اپنے ہاتھ کو بغل میں ڈالتے تھے اور جب باہر نکالتے تو وہ ہاتھ نور افشانی کرنے لگتا تھا۔ اب بجلی کا بلب ایجاد ہوا ہے یا یہ کہ سمندری حیوانات فسفردار کو دریافت کیا گیا ہے کہ جن کی پیشانی کا نُور سمندر کی انتہائی گہرائیوں کے اندھیرے میں ایک دو میل تک نُور افشانی کرتا ہے۔ بہرحال علم و امکانی صنعت نے مومنین کے عقیدے کو روشن اور ثابت کر دیا ہے کہ محالِ عقلی ممتنع عادی کے علاوہ ہے۔

محالِ عقلی اور ممتنع ذاتی کو کسی علم اور فن کے ذریعے سے ممکن نہیں بنایا جا سکتا۔ اگر یہ ممکن ہے کہ امریکہ ایک صنعت سے

آواز و صوت کو ریڈیو کے ایک ڈبہ میں مقید و پنہاں کر سکتا ہے تو جو خالق البشر ہے وہ بھی اس قوت کا جس جگہ چاہے مرکز بنا سکتا ہے۔ ان میں سے ایک مرکز نبی و امام کے گوش مبارک ہیں پس ممتنع عقلی نہ ہوا۔ لہٰذا وہ عقل جو پریشان اور آلودہ ہے اس کا انکار بے جا و غلط ہے۔

ع:۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ خرقِ عادت مانع عقلی نہیں ہے تو نبی و امام کو معجزہ کی کیا ضرورت ہے اور اس امر پر ہمارا اصرار کس لئے ہے؟

ح:۔ یہ اصرار صرف اس لئے ہے تا کہ صادق نبی کو کاذب نبی سے اور امام صادق کو امام کاذب سے امتیاز حاصل ہو جائے، اور اس لئے بھی ہے کہ مانی و مزدک، زرتشت، موتی، کسروی بابی اور قادیانی نبوت و امامت نہ کر سکیں اور انسان دروغ گو لوگوں کے شر سے معجزہ و خرقِ عادت کے سایہ میں محفوظ و مامون رہے۔

فرزند! عقل یہ کہتی ہے کہ وہ شخص جو نمائندۂ مافوق الفطرت ہے چاہیئے کہ وہ ماوراء الفطرت سے بھی علامت و نشانی رکھتا ہو، وہ بھی معجزہ خارق العادہ ہے۔

جلد بازی اور بیہودہ گوئی ہدایت و سچائی کو ثابت نہیں کرتی۔ قرآن مجید جو خداوند عالم کی مقدس کتاب ہے وہ بھی وجودِ معجزہ کو ثابت فرماتا ہے۔[1]

جناب آقا سراج انصاری نے اپنی کتاب "نبرد بابے دینی" میں اثباتِ معجزہ میں دوسرے انداز میں استدلال کیا ہے اور منکرینِ معجزہ کے اعتراضات کا احسن انداز میں جواب دیا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ کر کے کسروی کے دوسرے اعتراضات کا جواب ملاحظہ کریں۔

---

[1] قرآن کریم خود ایک بہت بڑا معجزہ ہے اور وجودِ معجزہ کی تصدیق کرتا ہے۔ واقعہ معراج و عصاءِ موسیٰ و یدِ بیضاء اور احیاءِ موتیٰ (یعنی مُردوں کو زندہ کرنا) کو نقل کیا۔ بے اسمہ سے معجزہ و خارق عادت کو ثابت فرمایا ہے۔

حضرت امام عصر عجل اللہ فرجہٗ

ع :- امامت کے بارے میں ایک اور سوال عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ حضرت امام زمان عجل اللہ فرجہٗ ہمارے عقیدہ کے مطابق زندہ اور غائب ہیں۔ لیکن کسروی اس کا انکار کرتے ہوئے اس عقیدہ کو خلافِ عقل بھی سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ ایک آدمی ایک ہزار سال یا اس سے زیادہ زندہ رہ سکے ؟

ح :- بنیادی طور پر ہمارا خداوند عالم ، معجزنما پیغمبرؐ اور ہمارے بے مثال آئمہؑ کسروی کی عقل کے خلاف ہیں۔ کسروی کی عقل کے اور کون سی فوق العادہ چیزیں موافق ہیں کہ حضرت امام زمانؑ کی طولانی زندگی اس کے موافق ہو۔ کسروی کے عقیدہ کے مطابق خدا محدود ہے اور دست و بازوئے حق مغلول و مقیّد ہیں اور پیغمبری بھی سرمایۂ طبیعی اور وظیفۂ عادی کے ساتھ

ہے اور امامت اور خلافت بھی گرز اور نوکِ نیزہ کی ضرب کے ساتھ ہے۔

عزیزم! امام زمانؑ کی طُولِ عمر بھی خارقِ عادات سے ہے۔

ع :- چونکہ یہ عقیدہ صرف ہم شیعوں کا ہے۔ مَیں چاہتا ہوں کہ ہمارے پاس مخالفین کیلئے کوئی قانع جواب ہونا چاہیئے۔

ح :- یہ صرف شیعوں کا عقیدہ ہی نہیں ہے بلکہ اہلِ سُنّت نے بھی کم و بیش اختلاف کے ساتھ امام غائب کے وجود کا اعتراف و اقرار کیا ہے۔ کتاب **غایۃ المرام** میں طریقِ اہلِ سنّت سے ایک سَو سَاٹھ احادیث لکھی ہوئی ہیں اور یہ احادیث اور رسُولِ اکرمؐ کی نصّ ہمارے عقیدہ کے اثبات کیلئے کافی ہیں۔

بہلول بہجت آفندی شافعی تاریخِ آلِ محمدؐ ص ۱۳۸ پر تحریر فرماتے ہیں کہ بارہویں امام صاحب العصر والزمانؑ القائم المہدیؑ ۱۵ شعبان المعظم ۲۵۵ھ میں متولد ہوئے۔ آپ کی والدۂ گرامی کا نام "نرجس خاتون" تھا۔ پانچ سال کی عمر میں آپ کے والد بزرگوار کی شہادت ہو گئی۔ امام زمانؑ نے

دو مرتبہ غیبت فرمائی ہے۔ اوّل غیبتِ صغریٰ، دوم غیبتِ کبریٰ۔

امام ابھی تک زندہ ہیں جب خداوند عالم اِذن دے گا تب امام ظہور فرمائیں گے۔ جب امام ظہور فرمائیں گے تو اس وقت زمین ظلم و جور سے بھرپور ہوگی۔ امام تشریف لاکر زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔

چونکہ اُمّتِ محمدیہ ظہورِ امامؑ پر متفق ہے اسی لئے اس کتاب میں ان کے دلائل کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن ہم صرف پیشوائے طریقت و مقتدائے تصوّف شیخ محیّ الدّین عربی کے مفصّل مقالہ جو حضرت حجتؑ کے بارے میں ہے، کو اجمالی طور پر ذکر کرتے ہیں۔ شیخ محیّ الدّین عربی کہتے ہیں کہ امام مہدی قائمؑ منتظرؑ ظہور فرمائیں گے۔ وہ خلیفہ و حجتِ خدا ہیں۔ مکہ معظمہ میں رکن و مقام کے درمیان ان کا ظہور ہوگا۔ خوش قسمت ترین اہلِ کوفہ ہیں جن میں مالِ غنیمت کو مساوی تقسیم کریں گے، جھگڑوں میں فیصلہ کریں گے، رعایا کے اندر عدل و انصاف کو جاری فرمائیں گے اور دین کی کمزوری کے وقت اس کی نصرت کریں گے۔ جس شخص نے بھی ان کے فرمان سے سرتابی کی وہ قتل کر دیا جائیگا اور جو شخص ان سے جنگ کرے گا وہ شکست کھائے گا۔ ان کی بیعت کرنے والے

عارفانِ خدا ہوں گے۔ ان کے لئے ایسے لوگ ہوں گے جو اُٹھ کھڑے ہوں گے اور ان کی نصرت و مدد کریں گے۔ وہ ان کے وزراء ہوں گے اور مملکت کے فرائض اپنے کاندھوں پر ڈالیں گے جن کو وہ بخوبی انجام دیں گے۔

ان کی تعداد ایک سَو تیرہ ہوگی جو صرف ایک دن میں پوری ہو جائیگی وہ تمام کے تمام عجمی ہوں گے۔ ان میں عرب ایک بھی نہیں ہوگا لیکن عربی زبان میں گفتگو کرتے ہوں گے۔

تواتر احادیثِ عامہ
در اثباتِ مرامِ تشیّع

کسروی کی طرح بعض بے خبر و جاہل لوگ کہتے ہیں کہ شیعہ احادیث و روایات ان کی صدرِ اسلام کی خود ساختہ ہیں جنکو انہوں نے اپنے عقائد کے مطابق مشہور کر دیا ہے۔

وہی چند مشہور و معروف احادیث جن کے متعلق ہم پر تہمت و الزام تراشی کی جاتی ہے کہ یہ احادیث شیعوں کی خود ساختہ ہیں ان کو نقل کرتے ہیں اور ہم ثابت کریں گے کہ یہ واضح نصوص بیشتر اہلِ سنّت کی کتب میں موجود ہیں اور بزرگانِ عامہ نے اس کا اعتراف کیا ہے۔

وہ احادیث جو خدا و رسولؐ کی نصوص فضائل علیؑ و فاطمہؑ اور ان کی اولاد طاہرین علیہم السّلام کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، ہم علّامہ السید ہاشم بحرانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کفایۃ الخصام ترجمہ غایۃ المرام سے نقل کرتے ہیں۔

۱۔ نص رسولِ خدا کہ علیؑ و فرزندانِ علیؑ میرے وصی ہیں۔

از طریق عامہ ۶۵ ، احادیث و از خاصہ ۱۹ ، احادیث۔

۲۔ نص رسولِ خدا بر خلافتِ علیؑ ، کہ علیؑ کے بعد ان کی اولاد سے گیارہ خلفاء ہیں اور وہ بارہ امام اور خلفاء پیغمبرؐ ہیں۔

از طریق عامہ ۲۹ ، احادیث و از خاصہ ۴۳ ، احادیث

۳۔ نص رسولِ خدا بر امیر المومنینؑ برائے ولایت در غدیر خم جو مقتضی خلافت و امامت ہے۔ از عامہ ۸۹ و از خاصہ ۴۳ ، احادیث

۴۔ انما ولیکم اللہ الخ کی آیت میں حضرت امیر المومنینؑ کے ولی ہونے کی صریح نص۔ از طریق عامہ ۲۴ و از خاصہ ۱۹ ، احادیث

۵۔ نص در حدیث یا علی انت منّی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الّا انّہ لا نبی بعدی۔ از عامہ یک صد و از خاصہ ۷۰ ، احادیث

۶۔ نیز یہ کہ علیؑ اور ان کے گیارہ فرزند اوصیاء رسول اللہؐ ہیں اور وہی بارہ امام ہیں۔ از طریق عامہ ۷۰ ، و از خاصہ یکصد احادیث

۷۔ رسولِ خدا کے بعد بارہ امام ہیں بنص صریح اجمالی و تفصیلی اور وہ علیؑ و حسنؑ و حسینؑ اور نو افراد اولادِ حسین علیہم السلام سے ہیں۔

از طریق عامہ ۵۸ و از خاصہ ۵۰، احادیث

۱ - نصِ رسولِ خدا کہ تمسک بالثقلین واجب ہے۔

از طریق عامہ ۲۹، و از خاصہ ۸۲، احادیث

۹- آیت فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔
میں اہلِ ذکر سے مراد اہل بیت پیغمبرؐ ہیں ۔

ازعامہ ۲ و از خاصہ ۲۱، احادیث

۱۰- آیت یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم صرف علیؑ اور آئمہؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ازعامہ ۳ و از خاصہ ۴، احادیث

۱۱- آیت انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا۔ رسولِ خدا و علی و فاطمہ و حسن و حسین اور آئمہ معصومین علیہم السّلام کی شان میں نازل ہوئی ہے ۔ ازعامہ ۴۱ و از خاصہ ۳۴، احادیث

۱۲- آیۂ مباہلہ پنجتن پاک کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

ازعامہ ۱۹ و از خاصہ ۱۱، احادیث

۱۳- آیت قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ۔ اہل بیتِ پیغمبرؐ کی محبت واجب ہے۔

ازعامہ ۱۷ و ازخاصہ ۲۲، احادیث

۱۴- آیت و انذر عشیرتک الاقربین ۔ اس کی تفصیل اسی کتاب میں گذر چکی ہے۔ ازعامہ ۵ وازخاصہ ۸، احادیث

۱۵- آیۂ شریفہ و ربک یختار مایشاء ماکان لہم الخیرۃ

ازعامہ ۴ وازخاصہ ایک حدیث

۱۶- آیت یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ۔ ازعامہ ۹ وازخاصہ ۸، احادیث

۱۷- آیت الیوم اکملت لکم دینکم ۔

ازعامہ ۶ وازخاصہ ۱۱ احادیث

۱۸- آیت ان اللہ ھو مولاہ وجبریل وصالح المومنین

ازعامہ ۶ و ازخاصہ ۵، احادیث

۱۹- آیت قل کفیٰ باللہ شہیداً بینی وبینکم و من عندہ علم الکتاب ۔ ازعامہ ۵ وازخاصہ ۱۸، احادیث

۲۰- فرمانِ خداوندی :- وارکعوا مع الراکعین

ازعامہ ۴ وازخاصہ ایک حدیث

۲۱- حضرت علیؑ بعد از رسولِؐ خدا بہترین مخلوق اور بہترین اُمت ہیں ۔

ازطرقِ عامہ ۲۳ وازخاصہ ۱۷، احادیث

۲۲۔ حضرت علیؑ نفسِ پیغمبر کی مثل ہیں۔

ازعامہ ۳ وازخاصہ ۱۳ ، احادیث

۲۳۔ حضرت علیؑ کو مکہ معظمہ کی طرف بھیجنا اور سورۃ براۃ کی تلاوت

اور ابوبکر کی معزولی۔ ازطریق عامہ ۳۵ وازخاصہ ۶ ، احادیث

۲۴۔ رسولِ خدا کا علیؑ کو اپنا بھائی بنانا۔ (حدیثِ اخوت)

ازعامہ ۲۱ وازخاصہ ۱۴ ، احادیث

۲۵۔ بنصِ رسولِ خدا علیؑ قاضیٔ امت ہیں اور حضرت علیؑ کو پیغمبرؐ نے

قاضی مقرر فرمایا۔ ازعامہ ۷ ، اوازخاصہ ۸ ۔ احادیث

۲۶۔ اصحابِ ثلاثہ اور دیگر صحابہ کا قضاوت میں حضرت علیؑ کی طرف رجوع کرنا

ازعامہ ۲۳ ، وازخاصہ ۱۲ ، احادیث

۲۷۔ فرمانِ رسولِ خدا:۔ القرآن مع علی و علی مع القرآن یعنی

قرآن علیؑ کے ساتھ ہے اور علیؑ قرآن کے ساتھ ہے۔

ازعامہ ۱۵ ، وازخاصہ ۱۱ ، احادیث

۲۸۔ فرمانِ رسولِ خدا:۔ الحق مع علی و علی مع الحق۔

حق علیؑ کے ساتھ ہے اور علیؑ حق کے ساتھ ہے۔

ازعامہ ۱۴ ، وازخاصہ ۱۰ ، احادیث

۲۹۔ مہاجرین اور انصار کو اس میں شک نہیں تھا کہ رسولِ خدا کے بعد

صاحبِ امرِ خلافت حضرت علیؑ ہیں اور یہ کہ خلفاءِ ثلاثہ اور معاویہ بھی اس کو جانتا تھا اور حضرت ابوبکر کا "اقیلونی" کہنا۔

از طریقِ عامہ ۱۳، احادیث

۳۰۔ حضرت علیؑ کو باجبر و اکراہ بیعت کے لئے لے جانا۔

از عامہ ۳۰ و از خاصہ ۵، احادیث

۳۱۔ قولِ عمرؓ: کانت بیعۃ ابی بکر فلتۃ وقی اللّٰہ شرّھا و من عاد الی مثلھا فاقتلوہ

اور فرمانِ حضرت علیؑ بیعتی لم تکن فلتۃ۔

از عامہ ۸، و از خاصہ ۲، احادیث

۳۲۔ دوستان و شیعیان و موالیانِ علی و اولادِ علی علیہم السّلام کے بارے میں۔

از عامہ ۹۵، و از خاصہ ۴۸، احادیث

۳۳۔ قولِ خلیفۂ ثانی بر رسولِ خداؐ: انّ الرّجل لیھجر۔

از عامہ ۱۷، و از خاصہ ۲، احادیث

۳۴۔ ابوبکر و عثمان و ابو عبیدہ بن جراح و عبدالرحمٰن بن عوف و طلحہ اور زبیر جیشِ اسامہ کے افراد میں سے تھے۔

از عامہ ۱۲، و از خاصہ ایک حدیث

۳۵- ولایت علی و آئمہ اثنا عشر علیہم السلام اصولِ دین اور ارکانِ اسلام میں سے ہے۔ جس شخص نے ان کو دوست رکھا اس نے اپنے ایمان کو مکمل کر دیا۔ ازعامہ ۵ و ازخاصہ ۲۴، احادیث

۳۶- حضرت علیؑ روزِ قیامت حامل لوائے حمد و والی وساقی کوثر ہوں گے

ازطریق عامہ ۱۱، و ازخاصہ ۱۹، احادیث

۳۷- حضرت علیؑ جنّت و دوزخ کے تقسیم کرنے والے ہیں۔

ازعامہ ۲۸، و ازخاصہ ۱۸، احادیث

۳۸- نص رسولِ خداؐ:- امام بارہ ہیں، اور وہ حضرت علیؑ اور ان کے گیارہ فرزند ہیں اور ان کے آخری حضرت قائمؑ منتظر مہدی صاحب العصر والزّمان عجل اللہ فرجہٗ ہیں۔ خداوندِ عالم آخر زمانے میں ان کو ظہور کا امر فرمائے گا۔ زمین ظلم و جور سے بھری ہو گی۔ حضورؑ ظہور فرما کر زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔

ازطریق عامہ ۱۶۰، و ازخاصہ ۲۷، احادیث

۳۹- شیخ فاضل کمال الدّین ابو عبد اللہ محمد بن طلحہ بن محمد بن حسن النّصیبی الشافعی (کتاب مطالب السؤول در مناقب آلِ رسولؐ) قائمِ آلِ محمدؐ کی امامت اور ان کے تا زمانِ معہود باقی رہنے کے متعلق استدلال۔

۴- "رسالہ ابو عثمان جاحظ" میں ادّلۂ قطعیہ اور براہینِ یقینیہ کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ رسولِ خدا کے بعد حضرت علی امام ہیں نہ کہ حضرت ابو بکر امام ہیں۔

خدایا! تو ہمیں قوت و نشاط عطا فرما تاکہ ہر وقت تیری راہ میں جہاد کریں اور ہم سے حمیّت و غیرتِ اسلامی سلب نہ فرما۔ تاکہ ہم وظائفِ حقیقی کے انجام دینے میں سُست نہ ہوں ہمیں ایمان اور اخلاص مرحمت فرما تاکہ ہم اپنے فرائض کو مکمّل طور پر ادا کر سکیں۔

خدایا! تو امام زمانؑ کو ظہور کا جلد حکم فرما تاکہ وہ ظالموں کے ظلم اور مظلوموں کی مظلومیّت کو ختم کر دے اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے۔

خدایا! تو ہمیں موفق فرما جس میں تیری رضا اور جامع حق و حقیقت کی اصلاح ہو اور ہم کو حاسدوں کے مکر و فریب سے محفوظ رکھ آمین بجاہ محمّد و آلہ الطاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین

مبحثِ معاد

ع :- دین اور آخرت کے درمیان کیا ملازمہ ہے کہ خدا پرست (مسلمان) کو عالمِ آخرت کا بھی معتقد ہونا چاہیئے ؟

ح :- ہاں ! ہمارے اصولِ دین میں سے ایک معاد (قیامت) بھی ہے عقل اور شرع دونوں عالمِ آخرت کو زندگی کی کمی کا تکمیل کنندہ اوضاعِ زندگی کو پورا کرنے والا اور سوانحِ آفرینش جانتے ہیں یہی کہ خداوندِ عالم کی طرف سے ایک پیغمبر مبعوث کیا گیا اور فرائضِ انسانیت کو انسان کے سامنے پیش کیا - چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض گروہ ایمان لاتے ہیں اور خدا و رسولؐ کے فرامین پر عمل کرتے ہیں اور بہت سے لوگ اپنی جاہلیت اور انکار پر باقی رہتے ہیں اور وہ دین و آئین کے ساتھ متمسک نہیں ہوتے اور ہوا و ہوس کی وجہ سے اپنوں اور بیگانوں دونوں پر ظلم وستم کرتے ہیں -

ہم خدا کو عادل و قادر جانتے ہیں - جہانِ آفرینش کو اس کی مملکت اور سلطنت سمجھتے ہیں اور تمام مخلوقات اس کی رعیّت بلکہ اس کے بندے ہیں - لہٰذا ضروری ہے کہ جزا و سزا کا ایک

ایسا دن ہونا چاہیئے کہ جس دن ہر مومن و کافر اپنی نیک و بد جزاء و سزا کو پہنچے۔

ہم اس دُنیا میں کئی ایسے افراد بھی دیکھتے ہیں کہ جو انقلاب اور آشوبِ مملکت بلکہ دُنیا کی تباہی و بربادی کا سبب بنتے ہیں یا ہزار ہا لوگوں کو قتل کرنے والے پارسا و نیک تصوّر کئے جاتے ہیں اور وہ عقل و شریعت کے احکام کے مطابق اپنی سزا کو نہیں پہنچتے ہیں اور اسی طرح نیک و پاکباز لوگ بھی ہیں جو کئی لاکھوں لوگوں کی خوش بختی کا وسیلہ و واسطہ بنتے ہیں اپنی مال و جان و اولاد اور اپنی تمام دولت خدا کی راہ میں فدا کر دیتے ہیں اور پھر وہ اپنی نیکیوں کا بدلہ اور ثمر حاصل کرنے کے بغیر انتہائی ناکامی اور مظلومیت کے ساتھ اس دُنیا کو خیر باد کہہ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک دوسرا جہان ہونا چاہیئے تاکہ خداوند عالم کا مکمّل لطف و عدل ظاہر ہو جائے۔ ہم اس جہان کو آخرت و معاد یا قیامت کا نام دیتے ہیں۔

ع:۔ کسروی نے خصوصاً اس بارے میں بھی اجتہاد کیا ہے اور مسلمانوں کے عقیدہ کے خلاف وہ معاد کو معادِ روحانی سمجھتا ہے۔

ح:۔ معادِ روحانی کا عقیدہ صرف کسروی کا ہی نہیں ہے بلکہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو احکامِ دین اور کتب آسمانی پر

عمل پیرا نہیں ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ اپنی کم عقل و کم سوچ و فکر کے ساتھ دنیا کے اسرار و حقائق کا اندازہ کر لیں اور وہ معاد کو بھی معادِ رُوحانی تصوّر کرتے ہیں۔

معادِ جسمانی

ع :- رُوح کہ عالم ہستی کی ساتھی ہے اور در حقیقت عالمِ ہستی رُوح کے وجود کے ساتھ ہے اور تمام نیک و بد اسی رُوح کی بدولت ہے۔ لہذا رُوح کو جزاء و سزا کے جہان میں قدم رکھنا چاہیئے۔ لیکن اجساد و اجسام کی برگشت کیلئے ہے؟

ح :- اس لئے کہ تمام نیک و بد رُوح کے ساتھ شریک ہے اور رُوح جسم و جسد کی معیّت میں اعمالِ دُنیوی انجام دیتی ہے۔ اس لئے رُوح و جسم دونوں عقاب و ثواب کے مستحق ہیں اور ان دونوں یعنی رُوح و جسم کو ایک ساتھ میدانِ قیامت میں قدم رکھنا چاہیئے تاکہ دونوں مُنعَم و مُعَذّب ہوں۔ رُوح اور جسم جس طرح دُنیا میں تھے یا ہیں آخرت میں بھی اسی طرح ہونگے

ع :- کسٹردی کہتے ہیں کہ وہ جسم جو معدوم ہو جاتا ہے اس کا اسی شکل میں دوبارہ واپس آنا کس طرح ممکن ہے؟

ح :- یہ صحیح ہے کہ بدن معدوم ہو جاتا ہے اور جزء ذرّات بن جاتا ہے اور وہ سخت ہواؤں اور بڑے بڑے سیلابوں کی وجہ سے دریاؤں اور بیابانوں میں

اپنا مسکن بناتا ہے۔

اور شاید اس بدن سے تھوڑی سی خاک بحرِ اوقیانوس کی گہرائیوں اور ایک مُٹھی خاک پہاڑوں کی بلند چوٹیوں پہ اپنا وطن بنائے یا ہر ذرّہ بدن زمین کے مختلف مقامات پر منتشر ہو جائے اگر ہر شکل و صُورت قبائے ہستی کو اُتار دے تب بھی اس کا وجود میں شمار ہوتا ہے۔ کوئی چیز بھی معدوم نہیں ہوتی بلکہ مملکتِ الٰہی میں ہر چیز محفوظ ہے۔

ع:۔ کہتے ہیں کہ یہ پراگندہ ذرّات جو غبار کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں وہ دوبارہ کس طرح جمع ہو جاتے ہیں اور وہ معدوم اجزاء ازسرِنَو انسانی شکل کس طرح اختیار کر لیتے ہیں؟

ح:۔ اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ اس کے لئے صرف علم و قدرت کی ضرورت ہے اور اس کی اصل معرفت و توانائی ہے۔ آپ چند ظرف گندم و جَو و چینا اور دیگر دانوں کے ایک جگہ پر ڈال دیں اور ان سب دانوں کو آپسمیں مخلوط کر دیں اور تمام دانوں کو ایک بڑے میدان میں بکھیر دیں اب اگر ان تمام دانوں کو جُدا جُدا کر کے ان کو دوبارہ اپنے برتن میں ڈالنا چاہو تو اس بارے میں سوائے قدرے علم اور ان کی شکل و صورت کی پہچان اور قدرے حوصلہ و قدرت کے کسی دوسری چیز

کی ضرورت نہیں ہے۔

آپ شاید اس بات کے منتظر ہیں کہ ہیں کوئی ایسی دقیق تر مثال دوں جو اس مقام کیلئے مناسبت رکھتی ہے۔

ہم دور نہیں جاتے، آپ ڈاکٹروں کی طرف غور کریں کہ وہ خون کا تجزیہ کرتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے جراثیم کو ایک دوسرے سے جدا کرتے ہیں۔ اور ان ہی جراثیم سے تپ یا دیگر امراض کی تشخیص کرتے ہیں۔ ایسے حیرت انگیز اور فوق العادہ کاموں کو انسان کے کمزور ہاتھ انجام دیتے ہیں۔ اب غور کریں کہ خداوند عالم جس نے تمام دنیا کو پیدا کیا ہے وہ مخلوق شناس اور طاقت عطا کرنے والا بھی ہے کیا وہ یہ نہیں کر سکتا کہ وہ اجزائے انسان کو علیحدہ علیحدہ کر دے اور پھر ہر ایک جز کو اپنے جسم کے مخصوص حصے میں جگہ دے دے (وللہ المثل الاعلیٰ)۔

ہم تمام کاموں میں وقت کو صرف کرنے اور قوت کو استعمال کرنے پر مجبور ہیں لیکن خدائے بزرگ و برتر کو اس کی بھی احتیاج و ضرورت نہیں ہے۔ انسان کے علم کو خداوند عالم کے لامحدود علم و قدرت کے ساتھ قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

قرآن مجید بھی کتنی مقامات پر معادِ جسمانی کا بیانگِ دہل اعلان فرما

رہا ہے اور واضح طور پر احیاءِ موتیٰ جیسے واقعہ کو ثابت کر رہا ہے اور وہ آیات جو اس بارے میں نازل ہوتی ہیں ان کا شمار آیاتِ محکمات میں ہوتا ہے۔

وضرب لنا مثلاً ونسی خلقہ قال من یحیی العظام وھی رمیم قل یحییھا الذی انشاھا اوّل مرّۃ وھو بکلّ خلق علیم ۔ (یٰسین) یعنی اس نے ہمارے لئے ایک مثال بیان کی اور وہ اپنی خلقت کو بھول گیا (کافر انسان) اور کہتا ہے کہ بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا۔

اے میرے رسولؐ! کہہ دیجئے کہ ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے اور وہ ہر طرح کا پیدا کرنا جانتا ہے۔

بالآخر جو شخص بھی حضرت خاتم الانبیاء صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوّت کا اقرار کرے اور خداوندِ عالم کے علم و قدرت کا اعتراف کرے اور قرآن مجید کو کتابِ الٰہی تسلیم کرے وہ معادِ جسمانی کا ہرگز انکار نہیں کرے گا۔

بنا برایں خدائے دانا و توانا روزِ قیامت بدنِ دنیوی کے معدوم اجزاء کو جمع فرمائے گا اور انہی اجساد و اجسام محسوس و ملموس کو آخرت میں واپس لوٹائے گا۔ (احقاقی)